ماہنامہ

فیصل آباد
پاکستان

# ملیّة

جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ بمطابق مئی 2009ء

کلمۃ الحبیب

وھاٹ نان سینس!

مکاتیب رئیس الاحرار سے

امیر شریعت کی بیعت کی کہانی رئیس الاحرار کی زبانی

زیر ادارت

# سلام

سلام اُس ذات پر جو ہے مکینِ گنبدِ اخضر
سلام اُس پر جو اُمت کے لئے ہے شافعِ محشر
سلام اُس پر کہ جس کے نُور سے عالم منوّر ہے
سلام اُس پر کہ جس کے حُسن سے ہے ہر حسیں دلبر
سلام اُس پر کہ جس کے فقر کا قائل زمانہ ہے
سلام اُس پر کہ جس کے ذکر کو ربّ نے کیا برتر
سلام اُس پر کہ جھک جاتی ہیں آنکھیں جس کے روضے پر
سلام اُس ذات پر جو تا قیامت ہو گئی رہبر
سلام اُس پر کہ جس کی رفعتوں کی حد نہیں کوئی
سلام اُس ذات پر جو ہے خدا کے نور کا مظہر
سلام اُس پر جو آخر میں ہے آیا سارے نبیوں کے
سلام اُس پر کہ جس کے بعد پھر نہ آئے پیغمبر
سلام اُس پر کہ جو کون و مکاں کی ہے بنا زینت
سلام اُس ذاتِ اقدس پر جو ہو گی ساقیٔ کوثر
سلام اُس پر کہ سارے ہی صحابہؓ جس کے عادل تھے
سلام اُس پر کہ جس کی آل بھی سب سے ہوئی برتر
سلام اُس پر کہ جس نے بدر میں کایا پلٹ دی تھی
سلام اُس پر کہ جانبازوں کا جس کے پاس تھا لشکر
سلام اُس پر جو محرم بن کے آیا تھا غریبوں کا
سلام اُس پر گنہگاروں کے حق میں بھی جو تھا مضطر
سلام اُس پر حبیبِ کبریا جس کا لقب ٹھہرا
سلام اُس پر جو آیا رحمۃ للعالمین بن کر

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ ملیہ

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

جلد نمبر 5 — جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

مطابق

شمارہ نمبر 5 — مئی 2009ء

**بیاد**

حضرت مولانا نفیس الرحمٰن لدھیانوی

خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری

**بفیض**

حضرت سید نفیس الحسینی

رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابن نفیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مدیر — نائب مدیر

محمد انیس الرحمٰن لدھیانوی — حبیب الرحمٰن لدھیانوی

## فہرست مضامین

| مضمون | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|
| وحاٹ نان سینس! | ابن نفیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی | 2 |
| مکاتیب رئیس الاحرار سے<br>امیر شریعتؒ کی بیعت کی کہانی رئیس الاحرارؒ کی زبانی | | 9 |
| صرف علماء دیوبند کے خلاف تنقیدی مہم کیوں؟ | مولانا مجاہد الحسینی | 19 |
| انوار انوریؒ | شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد انوریؒ | 29 |
| من کان للہ کان اللہ لہ | محمد ابوبکر صدیق | 35 |
| خواتین کے صفحات | خادمۃ القرآن | 40 تا 44 |
| سلطان محمود غزنویؒ | ام محمد | 45 |

فی شمارہ 20 روپے — پاکستان میں سالانہ 200 روپے

سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 40 امریکی ڈالر

رابطہ کے لیے

ماہنامہ ملیہ — جامعہ ملیہ اسلامیہ

عقب خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن فیصل آباد

041-8711569

ناشر ..... حبیب الرحمٰن لدھیانوی — مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد

Decl No. 3483-85

کلمۃ الحبیب

# وھاٹ نان سینس!

# WHAT NON SENSE

ابن الحسن حبیب الرحمٰن لدھیانوی

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ:

"نیشنل اسمبلی نے نظام عدل ریگولیشن منظور کرلیا ہے۔ وھاٹ نان سینس؟ سپریم کورٹ نے سوموٹو ایکشن نہیں لیا؟" یہ وہ الفاظ ہیں جو کہ لاہور ائرپورٹ پر میں نے چار افراد کو آپس میں بات چیت کرتے ہوئے سنے۔ میں بیرون ملک سفر سے واپس لاہور میں اترا میرے ساتھ وہ لوگ بھی اترے جن کے چہرے پر فرنچ کٹ داڑھی تھی، ان کو لینے کے لیے لاؤنج میں دو افراد آئے۔ غالباً وہ وی آئی پی تھے۔ انہیں اس بات پر رنج تھا کہ قومی اسمبلی نے سوات میں امن قائم کرنے کی خاطر نظام عدل ریگولیشن کیوں منظور کرلیا۔

نظام اسلام کا نفاذ انگریز کی ناجائز اولاد اور اس کے زلہ خواروں کو کسی بھی صورت قبول نہیں۔ جب سے یہ نظام رائج کیا گیا ہے اس وقت سے ان کے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے ہیں۔

انگریز نے ہندوستان میں رہ کر اپنی ناجائز اولاد کو جنم دیا۔ یہ ناجائز اولاد دو قسم کی تھی۔ ایک جسمانی دوسری روحانی۔ انگریز افسر کو جب بھی موج مستی کا شوق اٹھتا یا اس کو اپنی سفلی خواہش پوری کرنے کی ضرورت پیش آتی تو اس کے نوکر علاقے سے کسی مجبور کی بہو بیٹی یا آوارہ چلن کو انگریز کی رات رنگین کرنے کے لیے پیش کردیتے۔ تو اس کے نتیجے میں جو نسل پیدا ہوتی وہ "صاحب زادہ" کہلاتی۔ کیونکہ وہ صاحب کی اولاد ہوتی تھی۔ انگریز کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے ہر ناجائز کام کو ایسا خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے کہ اچھا بھلا انسان اس کے فریب میں آجاتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی رنگ رلیوں کے نتیجے کو صاحبزادے کا نام دیکر اس طرح شہرت دی کہ اس طبقہ کو لوگوں نے اپنے نام کے ساتھ لگانا فخر سمجھا۔ خصوصاً بڑے لوگوں اور زمیندار لوگوں کی اولادوں نے اپنے نام کے ساتھ

"صاحبزادہ" لگایا۔

دوسری اولاد وہ تھی جو کہ انگریز کے جوتے پالش کرنے والے، اس کے گھوڑے پالنے والے، اس کے کتے نہلانے اور سہلانے والے، اس کی بگھی کے آگے گھوڑے کی جگہ خود کو جوتنے والے تھے۔ ان خدمات کے بدلے ان کو انگریز نے بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں۔ اس میں ہر قسم کے لوگ تھے۔ ہر ایک کو اس کے ذوق کے مطابق خطابات دیئے۔ خاندانی گدی نشین کو مخدوم، زمیندار کو نواب، فوج میں اپنے ہی ہم وطنوں کو قتل کرنے والے یا اچھی جاسوسی کرنے والے کو خان بہادر، تعلیم یافتہ طبقے میں انگریز کے نظام تعلیم یا اس کے فلسفے کو آگے بڑھانے والے کو سر، انگریز کے حق میں فتوے دینے والے مولوی کو شمس العلماء وغیرہ کے خطابات سے نوازا۔

پھر آگے چل کر انگریز کی اس ناجائز اولاد کے دو طبقے بنے۔ ایک نسلی دوسرا فصلی۔ نسلی وہ تھے جو کہ انہی خطاب یافتہ لوگوں کی اولاد ہے۔ ان میں خان بہادر کی اولاد خان زادہ، گدی نشین کی اولاد مخدوم زادہ، نواب کی اولاد نواب زادہ، سر کی اولاد چھوٹا صاحب اور شمس العلماء کی اولاد شمسی کہلائی۔ ایسے پیر کہ جب انگریز نے ترکوں کے خلاف جنگ شروع کی تو آزادی پسند علماء اور شیوخ نے انگریز کی فوج میں بھرتی ہونے کو ناجائز قرار دیا تو ان پیروں نے اپنے مریدوں کو نہ صرف باقاعدہ انگریز کی فوج میں بھرتی کرایا، بلکہ اپنے مریدوں کو تعویذ بھی دیئے کہ تم ان تعویذوں کو اپنے بازوؤں پر باندھ لو تم پر کوئی اثر نہیں کرے گی۔ ایسے ہی ایک پیر صاحب کا مرید جو کہ سیالکوٹ کا رہنے والا تھا، اس کا نام برکت علی تھا جو کہ انگریزی فوج کا توپچی تھا۔ انگریزی فوج نے جب ترکوں کی حکومت کے خلاف مکہ مکرمہ پر حملہ کیا تو اس برکت علی نے خانہ کعبہ پر سب سے پہلے توپ کا گولہ مار کر اس حملے کا آغاز کیا تھا، وہ توپ کا گولہ حجر اسود پر لگا تھا جس کی وجہ سے حجر اسود تین ٹکڑے ہوگیا تھا۔ آج بھی حاجی اگر حجر اسود کو غور سے دیکھے تو وہ جڑا ہوا نظر آتا ہے۔ ایسے پیروں کی اولاد اپنے نام کے ساتھ پیرزادہ یا صاحب زادہ لکھتی ہے۔

انگریز جاتے ہوئے ان کو اپنا سب کچھ دے گیا۔ اپنا لباس، اپنا قانون، اپنی زبان، اپنی تہذیب، اپنا تمدن، اپنا کلچر۔ اور یہ نسلی طبقہ آج تک انگریز کی اس امانت کی مضبوطی سے حفاظت کر رہا ہے۔ جب بھی کبھی انگریز کی ان دی گئی امانتوں کو مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے تو یہ لوگ ان کو بچانے

کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ دین، ایمان، ملک، سب کچھ بیچ ڈالتے ہیں۔ دوسرا طبقہ فصلی ہے، جو کہ موقع محل کے اعتبار سے اپنی جگہ بناتا ہے۔ وہ شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار ہوتا ہے۔ وہ نسلی اولاد سے زیادہ کارکردگی دکھاتا ہے۔ اس کا مقصد انگریز سے ایسی مراعات حاصل کرنا ہوتا ہے جو کہ اس کے آباء واجداد نے بھی دیکھی نہیں ہوتی۔ وہ انگریز کے ملکوں میں گرین کارڈ، نیشنلٹی، وغیرہ کا خواہاں ہوتا ہے۔ یہ متوسط اور غریب طبقے میں سے ہوتا ہے۔ اس کے پاس کچھ سٹریٹ پاور ہوتی ہے۔ وہ اپنی اس پاور کو انگریز کے حق میں استعمال کرتا ہے۔ جب بھی ملک میں اسلامی اصلاحات کا پروگرام ہوتا ہے وہ اس کے خلاف جلوس نکال کر اپنا حق وصول کرتا ہے۔ اس کے ماننے والے ملک میں ہوتے ہیں مگر وہ بذات خود انگریز کے ملک میں پرآسائش زندگی گذارتا ہے۔ وہ ایسے موقعوں پر ٹیلیفونک خطابات سے اپنا کام چلاتا ہے۔

انگریز نے ہندوستان میں جو کچھ بھی کیا ناجائز کیا۔ انگریز نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے ہندوستان میں قدم رکھا اور ہندوستان پر قبضہ کرنے کے لیے ہر ناجائز طریقہ اختیار کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہندوستان پر مسلمان حکمران تھے۔ انگریز سے یہ برداشت نہیں تھا کہ مسلمان اتنی بڑی حکمرانی کے حامل ہوں۔ ایک کاروباری کمپنی کا کیا کام کہ وہ ملک پر قبضہ کرے۔ یہ ناجائز نہیں تو اور کیا ہے۔

کافر نے بھی اپنے کفر کو نہیں چھپایا بلکہ اس کو اور زیادہ واضح کیا۔ اس کو پھیلانے کے لیے ہر ناجائز طریقہ اپنایا۔ اس میں بھی اس نے اپنی ذلت محسوس نہیں کی۔ اس نے دوسرے سے کوئی رعایت نہیں کی۔ اس نے اسلام کا کوئی پیوند اپنے کفر میں نہیں لگایا۔ اس نے اپنے کافر ہونے میں بھی شرمندگی محسوس نہیں کی۔ اس نے اسلام کی تہذیب، اسلام کے تمدن، اسلام کے کلچر، اسلام کے لباس، اسلام کی زبان، ماڈرن ہونے کے باوجود کبھی بھی اور کسی بھی طریقے سے اپنے مذہب میں شامل نہیں کیا۔ کفر جہاں بھی گیا اس نے اپنی تہذیب، اپنا کلچر، اپنا تمدن، اپنی زبان، اپنا قانون، اپنی تعلیم، اپنا لباس دیا۔ اس نے لارڈ میکالے کا بنایا ہوا نظام تعلیم اور قانون دیا۔ اس نے اس نظام تعلیم اور قانون سے ہندوستان میں ایسا طبقہ پیدا کیا جو کہ نام کا مسلمان تھا مگر کام کا نہیں۔ بلکہ میں یہاں تک کہوں گا کہ اس طبقے نے اسلام کے خلاف ہی کام کیے۔ اسلام کے نظام تعلیم، اسلام کے قانون، اسلام کے اخلاق کے بخیے ادھیڑ دیے۔ مگر یہ سب کچھ اسلام کا نام لے کر ہی کیا۔ اسلام کا نام لے کر ہی ایک ملک بنایا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریز کے خلاف سب سے زیادہ اور سب سے آگے ہو کر لڑنے والے مسلمان ہی تھے۔ کیونکہ ہندوستان کی بادشاہت مسلمانوں سے چھینی جا رہی تھی۔ اس میں سب سے زیادہ کردار علماء نے ادا کیا۔ علماء کی ان دنوں بڑی عزت تھی۔ ملاں کے نام کو عزت سے دیکھا جاتا تھا۔ علماء نے اس وقت انگریز کے خلاف فرضیت جہاد کا فتویٰ دیا۔ جس کی وجہ سے انگریز کے خلاف مسلمانوں میں جوش بڑھا۔ قسمت کی بات کہ جدوجہد ناکام ہوگئی۔ تو انگریز کا سب سے بڑا ٹارگٹ علماء تھے۔ اس نے کوشش کی کہ کسی طرح سے علماء کی اہمیت کو مسلمان عوام کے دلوں سے نکال دیا جائے۔

اس کے لیے انگریز نے کئی کام کیے۔ جس میں سب سے پہلا کام فرقہ واریت تھا۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے فرقہ واریت نہ تھی۔ پورے ملک میں فقہ حنفی رائج تھی۔ اسی کے مطابق فیصلے ہوتے تھے۔ انگریز نے جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ہندوستان میں متفرق فرقے پیدا کیے۔ فکری آزادی کے نام پر ایک خوبصورت جال پھینکا۔ جس میں بڑے بڑے لوگ آگئے۔ اس کی تفصیل پھر کبھی بیان کی جائے گی۔ دوسرا کام اس نے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم سے کیا۔ ایسے لوگ پیدا کیے کہ جن کی زبان میں علماء اور اسلام کے مسلمہ اصولوں پر اعتراضات کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ اس نے ہندوستان کو آزاد کیا اس میں پاکستان کے نام پر ایک ملک بنایا۔ اس ملک میں اقتدار ان لوگوں کو دیا جن کا تحریک آزادی میں کوئی حصہ نہیں۔ یہ لوگ صرف ٹیبل ٹاک کی حد تک متحرک تھے مگر جب بھی کبھی قربانی دینے کا وقت آیا یہ لوگ لندن بھاگ جاتے یا بلوں میں چھپ جاتے۔ مگر آزادی کے جانبازوں کو یکسر فراموش کر کے ان لوگوں کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور دی گئی جو کہ انگریز کے وفادار تھے۔ انگریز نے ہندو کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا۔ ہندوستان میں ان لوگوں کو ہی حکومت دی گئی جو کہ آزادی ہند میں پیش پیش تھے۔ اس لیے کہ وہ غیر مسلم تھے۔ مگر پاکستان میں اپنے فرماں برداروں کو آگے لایا گیا۔

ہندوستان میں چونکہ علماء کا طوطی بولتا تھا لوگ اسلام کے نام پر ان کے کہنے پر مرمٹنے کے لیے تیار رہتے تھے اس لیے انگریز نے اسلام کے نام کو استعمال کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس کے بعد انگریز نے اسلام کے نام پر ہی سب کچھ کیا۔ اسلام کے نام پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی قائم کی۔ اسلام کے نام سے ہی فرقے پیدا کیے۔ اسلام کے نام سے ہی نبی بنایا۔ اسلام کے نام سے ہی ملک بنایا۔ اسلام کے نام سے ہی تحریکیں چلائیں۔ اور سب سے بڑا لطیفہ یہ کہ اسلام کے نام کی تحریک بھی

انہی عدالتوں سے کرونی ہوئی انگریز کا قانون پڑھے ہوئے تھے۔ لہٰذا مولوی کو ایک گالی بنا دیا، ایک حقیر کردار اس کو دیا۔ اس کا سٹینس گاؤں کے موچی، تیلی، نائی، دھوبی کے برابر رکھا۔ عوامی جلسوں، اور انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں سے مولوی کے لیے مقتطع اور مسجع گالیاں ایجاد کرائی گئیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب بھی مولوی اسلامی نظام کی بات کرتا ہے یا مولوی کے ذریعہ اس کی بات ہوتی ہے تو انگریز کے یہ لاڈلے برہم ہو جاتے ہیں، ان پر ہذیانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ان کے خون کا دباؤ بڑھنے لگ جاتا ہے۔ ان کی آنکھیں شعلے اگلنے لگتی ہیں۔ ان کے چہرے فرط غضب سے تمتمانے لگتے ہیں، ان کی زبانیں زہر میں بجھے تیر برسانے لگتی ہیں، یہ لوگ آگ بگولہ ہو جاتے ہیں، انہیں وحشت اور دیوانگی کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔ ان کے چہرے اشتعال سے مسخ ہو جاتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ اس نظام عدل کا سرا اسلام کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ ان کے پیٹ میں مروڑ اس لیے اٹھتے ہیں کہ اب جج قاضی کہلائے گا، وہ ایسے فیصلے کرے گا جس سے اسلامی نظام عدل کا بول بالا ہوگا۔ یہ قانون انگریزی اصطلاحات سے آراستہ نہیں ہوگا، اس کے معاملات واشنگٹن کی بجائے سوات میں طے ہوں گے۔ اس میں کہیں رچرڈ ہالبروک یا مائیک ملن یا کسی این جی او کا نام نہیں ہے۔ اس قانون کو نافذ کرنے والے کے سر پر پگڑی ہے اور چہرے پر گھنی داڑھی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اب معاملات مولوی کے ہاتھ آگئے ہیں، اب جارج بش کے سامنے سجدہ ریز ہونے اور اوباما کے قدموں میں ناک رگڑنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ان لوگوں کو خطرہ اس بات کا ہے کہ اگر یہ نظام عدل کامیاب ہوگیا تو پاکستان کے دوسرے علاقوں اور صوبوں میں اس کی مانگ ہو جائے گی، اس کا پھیلاؤ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا۔ اور ہمارے نظام عدل کا بھانڈا سرعام پھوٹ جائے گا۔

اس سلسلے میں مجھے ایک کہاوت یاد آگئی۔ کہتے ہیں کسی گاؤں میں ایک بدصورت عورت رہتی تھی۔ جس کا رنگ کالا اور چہرہ انتہائی کریہہ تھا۔ اس کا کردار بھی انتہائی کریہہ تھا۔ اسی وجہ سے اس کو کوئی اپنانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ کوئی اسے اپنے گھر میں بسا لے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی اس کی بدصورتی کو نظر انداز کرکے اس کو اپنا لیتا مگر اس کا کردار اتنا کریہہ تھا کہ کوئی شریف آدمی اس کے پاس بھی آنے کے لیے تیار نہ تھا۔ جب کسی بھی دانا و بینا شخص نے اس کو قبول نہ کیا تو اس نے گاؤں کے ایک اندھے شخص کو اپنے جال میں پھانسنے کا پروگرام بنایا تاکہ اس کی بدصورتی دیکھنے اور بد

کرداری کوڑو کے والا کوئی نہ ہو۔ اس نے اندھے کو اپنے حسن وخوبصورتی کی انتہا، اور جوانی کی رعنائی کے دلفریب قصے سنائے، اور کہا کہ پورا گاؤں اس کے حسن کے سحر میں مبتلا ہے۔ گاؤں کا ہر شخص اس کو اپنانے کے لیئے بے تاب ہے۔ مگر میں چونکہ دکھی انسانیت کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے تمہارے اندھے پن پر بڑا ترس آتا ہے۔ میں تمہارا سہارا بننا چاہتی ہوں۔ میں نے گاؤں کے لوگوں سے کہہ دیا ہے کہ میں صرف اس اندھے شخص ہی سے شادی کرونگی۔ اس لیئے لوگ حسد میں آکر مجھے برا کہتے ہیں میرے کردار پر انگلیاں اٹھاتے ہیں۔ مگر میں پھر بھی اپنے اس موقف سے پیچھے نہیں ہٹی۔ میں نے صاف کہہ دیا ہے کہ میں اندھے کے ساتھ ہی شادی کرونگی۔ کیونکہ میں دکھی انسانیت کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔ اس پر اندھا بڑا خوش ہوا کہ ہمارے علاقے کی ملکۂ حسن مجھ پر فریفتہ ہے۔ اور وہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر مجھ جیسے اندھے کے ساتھ شادی کر کے دکھی انسانیت کی خدمت کرنا چاہتی ہے۔ اندھا راضی ہو گیا۔ پروگرام کے مطابق وہ عورت اپنا سارا سامان اٹھا کر اندھے کے گھر میں آ گئی۔ وہیں رہنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنا غلیظ کاروبار بڑے کھلے طریق سے شروع کر دیا، کیونکہ دیکھنے والا نہ تھا۔

خدا کا کرنا کہ ایک دن گاؤں کی مسجد میں اعلان ہوا کہ ایک حکیم صاحب آئے ہیں جو کہ اندھے پن کا علاج کرتے ہیں، ان کے علاج سے ہر قسم کا اندھا دیکھنے لگتا ہے۔ اندھے نے یہ اعلان سنا تو وہ خوشی سے بھاگا بھاگا اپنے گھر گیا۔ اور اس نے اس عورت سے کہا کہ اللہ نے میری دعا سن لی اب میں تمہارے حسن اور جوانی کی رعنائیاں دیکھ سکوں گا۔ اور بتایا کہ مسجد میں ایک حکیم صاحب آئے ہیں اور ہر قسم کے اندھے پن کا علاج کرتے ہیں۔ بس یہ سننے سے وہ عورت فکر مند ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ اگر اس حکیم نے واقعی اس اندھے کی آنکھیں ٹھیک کر دیں تو میری اصلیت کھل جائے گی۔ میرا کریہہ چہرہ اور کردار کھل کر سامنے آ جائے گا۔ اور میرے کیئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ میری دنیا اجڑ جائے گی۔ چنانچہ اس عورت نے اپنا وہ سب کچھ مال و اسباب سمیٹا جو کہ اس کے پاس سونے چاندی کے زیورات کی شکل میں تھا اور جو نقد رقم تھی، وہ سب کچھ سمیٹ کر مسجد میں حکیم صاحب کے پاس پہنچی۔ اس کے سامنے مال و زر کا ڈھیر لگا کر کہا کہ میرا یہ سب کچھ لے لیں اور یہاں سے چلے جائیں۔ اگر آپ نے اپنی دوا سے میرے شوہر کو بینائی دے دی تو میرا بنا بنایا سب کچھ برباد ہو جائے گا۔ حکیم صاحب نے اس عورت سے مال و اسباب لینے اور اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر اس عورت نے بڑے ہاتھ پیر مارے مگر حکیم صاحب اپنے عزم و ارادے میں پختہ رہے۔ آخر کار اس

عورت نے گاؤں کے آوارہ اور لوفر لونڈوں کو اکٹھا کر کے اپنے ساتھ ملا لیا اور حکیم صاحب کے خلاف محاذ بنالیا۔ اور یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ دیکھو ایک فسادی ہمارے گاؤں میں آ گیا ہے۔ جو کہ ہمارے اندر تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔ جو کہ ہمیں آپس میں لڑانا چاہتا ہے۔ ہمارے بسے بسائے گھروں کو اجاڑنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے گاؤں کے تمام لوفر لڑکوں کو ساتھ لے کر حکیم صاحب کے خلاف ریلی نکالی۔ کیونکہ اس عورت کو خطرہ تھا کہ اس حکیم کے علاج سے اگر اندھا دیکھنے لگا تو میری خوبصورتی اور پاک دامنی کی قلعی کھل جائے گی۔

بالکل اسی طرح اسلامی نظام عدل کے مخالفوں کا حال ہے۔ تحریک نفاذ شریعت کی محنت میں ملبوس انگریز کے زلہ خوار اور اس کی تعلیم وقانون کے ذریعہ لوگوں کو انصاف کی لائن میں لگا کر خاموش تماشائی کا کردار ادا کرنے والے اس وقت تک نہیں بولے جب تک کہ نظام شریعت کا مطالبہ مان نہیں لیا گیا۔ ان کے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ سوات کے لوگوں نے اپنا یہ حق خون کا دریا عبور کر کے حاصل کیا ہے۔

نظام عدل کے مخالفین جو کہ انگریز کے بھی ولد الحرام ثابت ہو چکے ہیں، اس لیے کہ انگریز کو بھی ان پر اب اپنی اولاد ہونے کا شبہ ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ بھی ڈالر دے کر ان سے کام لیتا رہا مگر وہ اس کی مرضی کا کام نہیں کر سکے۔ اب ڈالر دینے والے بھی ان پر الزام لگا رہے ہیں کہ انہوں نے ہمارے ڈالروں کا استعمال صحیح نہیں کیا۔ ادھر وہ اب مزید ڈالر مانگ رہے ہیں اسی لیے وہ اس نظام کی سب سے زیادہ مخالفت کر رہے ہیں۔ امریکہ ڈرون طیاروں سے مسلسل حملے کر رہا ہے اور ہزاروں افراد کو شہید کر چکا ہے۔ ان حملوں کو روکنے کی بجائے کہتے ہیں جیسے کہ پنجاب کے گورنر سلمان تاثیر نے فیصل آباد میں صحافیوں کے ایک سوال کے جواب میں کہا ہے "ڈرون حملوں کو نہ دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ اس کے بدلے میں ڈالر کتنے مل رہے ہیں" ان حیا باختہ لوگوں نے اپنے ولد الحرام ثابت ہونے کی انتہا کر دی۔ بازار حسن کے چوبارے پر بیٹھنے والی عورت بھی سیاہ رات کے کالے دھندے کی کمائی بھی صبح اٹھ کر اتنی ڈھٹائی سے نہیں گنتی۔ اس کو وہ کمائی کے گنتے ہوئے بھی شاید اس کی آنکھوں کے کونوں میں حیا کی نمی آ جاتی ہوگی۔ مگر ہمارے ہاں انگریز کی ناجائز اولاد ڈالروں کے عوض سب کچھ دینے کے لیے تیار ہے۔ اسی لیے جب بھی اسلام کے قانون کے نفاذ کی بات ہوتی ہے تو ان خان زادوں، نواب زادوں، مخدوم زادوں، چھوٹے صاحبوں، پیرزادوں، صاحب زادوں، موٹی مینڈکوں اور فصلی بٹیروں، انگریز کی پناہ میں بیٹھ کر سلوٹ تک خطاب کرنے والوں کو اپنی کمائی خطرے میں نظر آتی ہے۔ اسی لیے تو وہ پریشان ہو کر اپنے بال نوچتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ہماشان سیکس؟"

--------------------------------

مکاتیب رئیس الاحرار سے

# امیرِ شریعتؒ کی بیعت کی کہانی، رئیس الاحرارؒ کی زبانی

برصغیر کے مشہور خطیب حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے امیرِ شریعت ہونے میں کسی کو انکار نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی ابہام ہے اس سے انکار تاریخ سے انکار کرنا ہے اور اس سے بھی کوئی انکار نہیں کہ شیخ المحدثین حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہ نے لاہور میں انجمن خدام الدین کے ایک جلسہ میں پانچ سو علماء سے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے لیے بیعت لی۔ اس کے متعلق مختلف حضرات کی طرف سے مختصر اور مجمل روایات ملتی ہیں مگر تفصیل نہیں ملتی۔ اس کی تفصیل رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحریر سے ملتی ہے۔ اصل میں یہ رئیس الاحرار کا ایک مکتوب ہے جو کہ انہوں نے حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے فرزند مولانا محمد ازہر شاہ قیصر مرحوم (ایڈیٹر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند) کو ۱۹۵۹ء میں لکھا تھا اس وقت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ تھے۔ رئیس الاحرار اور امیرِ شریعت کا آپس میں ایسا گہرا تعلق تھا جس کی مثال نہیں ملتی۔ ایسی صورت میں رئیس الاحرار کی یہ تحریر تاریخ کے بہت سے مخفی رازوں سے پردہ اٹھاتی ہے۔ اس مکتوب کا عکس "مکاتیب رئیس الاحرار" میں شائع کیا جا رہا ہے۔

از: کوچہ رحمٰن چاندنی چوک دہلی

عزیز سید محمد ازہر شاہ قیصر

السلام علیکم۔ آپ کا ایک مضمون (شادی اور بادی) کے عنوان سے اخبار "آزاد" ۱۴ر اکتوبر ۵۹ء کے شمارے میں نظر سے گزرا جس میں حضرت استاذ شیخ الاسلام مولانا سید انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے تعلق کو بیان کیا گیا ہے۔

افسوس ہے کہ اس میں بعض باتیں خلاف واقعہ درج ہوئی ہیں جن پر مجھے تنبیہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ بادی النظر میں میری تحریر سے شاید کچھ اور مطلب لیا جائے۔ میرا مقصود صرف تاریخی غلطی کا اظہار کرنا ہے اور واقعات کی صحت۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی محبت اور عزت آج بھی میرے دل میں جتنی ہے شاید کسی کے دل میں ہو۔ میں ان حالات میں بھی ان کو بھولا نہیں ہوں، بلکہ بعض وقت میرے جسم پر ایسے تاثرات ہوتے ہیں کہ میں اپنے آپ کو عطاء اللہ شاہ محسوس کرنے لگتا ہوں۔ لیکن ان حالات اور واقعات کی غلط بیانیوں کو سن کر خاموش رہنا میرے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

(۱) یہ کہنا کہ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، صریح غلط بیانی ہی نہیں بلکہ جھوٹ بھی ہے۔ یہ بات آپ کے سوا آج تک کسی نے لکھی نہ کہی اور نہ ہم نے سنی۔

واقعہ کی حقیقت صرف یہ ہے کہ ۱۹۲۹ء میں جبکہ لاہور میں کانگریس کا ایک کھلا اجلاس ہونے والا تھا، انہی دنوں مارچ میں انجمن خدام الدین کا سالانہ تبلیغی جلسہ ہوا، اس میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لے گئے تھے۔ حضرت مرحوم کی تشریف آوری کی بنا پر پانچ چھ سو پنجاب کے علماء جلسے میں شریک ہوئے۔ دن کے دس بجے کے قریب سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر شروع ہوئی، جس میں انہوں نے مسئلہ جہاد پر لاجواب تقریر فرمائی اور مجمع میں انگریزی حکومت کے خلاف بے پناہ جذبہ پیدا ہو گیا۔ لوگوں میں اس قدر جوش پیدا ہوا کہ اس کا سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ ایک شخص نے مجمع سے اٹھ کر کہا کہ شاہ صاحب (بخاری) آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں، ہم کیا کریں؟ شاہ صاحب نے کہا کہ تم کانگریس کے چار چار آنے کے ممبر بن جاؤ۔ جہاد کی اس تقریر کے بعد لوگوں کو یہ جواب تسلی بخش نہیں تھا۔

میں شروع جلسہ سے شاہ جی (بخاری) کے پاس بیٹھا ہوا تھا، میں نے فوراً اٹھ کر کہا کہ آپ لوگ شاہ جی (بخاری) کو پہلے امیر تسلیم کر لیں اس کے بعد جو شاہ جی کہیں وہ کرو۔ جلسہ میں چاروں طرف سے آوازیں آئیں کہ ہم شاہ جی (بخاری) کو امیر تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں اور بیعت کرتے ہیں۔ جب شاہ جی (بخاری) کو چاروں طرف سے لوگوں نے بیعت لینے پر مجبور کیا تو شاہ جی (بخاری) نے اپنی طبعی کمزوری کی بنا پر اعلان کیا کہ میں امیر بننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ تجربے نے بتایا کہ یہ بات انہوں نے سچ کہی تھی۔ مگر لوگوں کا اصرار بڑھتا گیا کہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت ضرور کریں گے۔ اس پر شاہ جی (بخاری) نے اپنی جان بچانے کے لئے کہا کہ اگر حضرت شاہ صاحب (علامہ محمد

انور شاہ صاحب مرحوم (اگر وہ) کہیں گے تو میں امیر بننا منظور کرلوں گا۔ اس پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فوراً کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا کہ ”مظفر گڑھ کے ایک جلسہ میں عطاء اللہ شاہ صاحب بوقت شب میرے پاس آئے اور کہا کہ ”مجھے کچھ ذکر و اذکار تلقین کیجئے، ہم نے ان کو کچھ پڑھنے کے لئے بتا دیا“ میں نے کہا تو پھر آج ایک نئی تاریخ رقم کیجئے۔ پیر کو چاہیے کہ وہ مرید کی بیعت کرے۔ اس پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ جی (بخاری) کی طرف ہاتھ بڑھایا تو شاہ جی (بخاری) رونے لگے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے شاہ جی (بخاری) کا ایک ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھایا اور یوں فرمایا ”اس وقت ایک امیر کی ضرورت ہے، بھائیو! میں ان کو اس کا اہل سمجھتا ہوں“ اور اسی طرح کے دو ایک کلمے تعریف کے فرمائے۔ اس پر شاہ جی (بخاری) کی ٹال مٹول اور بہانہ ختم ہو گیا۔

اس پر عوام نے اور سٹیج کے علماء نے حتیٰ کہ مولانا ظفر علی خان نے شاہ جی (بخاری) سے بیعت اور ان کا امیر ہونا تسلیم کرلیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ صاحب (بخاری) کے ہاتھ پر نہ بیعت کی اور نہ اپنی بیعت کا اعلان۔ نیز جس نے شاہ جی (بخاری) کے امیر بنانے کا مشورہ دیا تھا اس نے نہ بیعت کی اور نہ اس بارے میں کوئی اعلان کیا۔

ایک بات اور رہ گئی، وہ یہ کہ جب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ یہ اس کے اہل ہیں کہ آپ ان کو اپنا امیر بنائیں تو شاہ جی (بخاری) رونے لگے۔ تین دن شاہ جی (بخاری) پر اس کا اثر رہا کہ میں امیر بنایا گیا ہوں لیکن وہ پھر بھول گئے۔

ایک اور بات کی وضاحت کردوں جو کہ بہت ضروری ہے، وہ یہ کہ آپ نے لکھا ہے کہ یہ جو بیعت لی گئی تھی یہ ”امیر شریعت“ کے عنوان سے لی گئی تھی۔ یہ بھی غلط ہے۔ اس وقت صرف ”امیر“ کی بیعت لی گئی۔ اس بیعت کا کوئی عنوان نہیں تھا۔ امیر شریعت کے نام سے جو بیعت لی گئی وہ ۱۹۳۰ء کا واقعہ ہے۔ آپ چونکہ اس بیعت کے وقت موجود نہیں تھے، اور نہ ہی اس کا آپ کو علم ہے اس لئے ۱۹۲۹ء والی بیعت کو ”امیر شریعت“ کی بیعت سمجھ بیٹھے۔

۱۹۲۹ء کے آخر میں مجلس احرار اسلام کا قیام عمل میں آیا۔ ابتداء میں عارضی طور پر شاہ جی (بخاری) کو نگران صدر بنایا گیا تا کہ مجلس احرار کی باڈی تشکیل دی جاسکے۔ پھر اس کے بعد مجھ کو باقاعدہ صدر منتخب کیا، جو کہ دس سال تک رہا۔

..........................................................................................

۱۹۳۵ء کے آنے تک حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ انتقال فرما گئے تھے نیز حضرت شاہ صاحب کی طرف سے شاہ جی (بخاری) کے لئے بیعت کو تقریباً چھ سال گذر چکے تھے اس دوران کبھی کسی نے ان کو "امیر شریعت" نہیں کہا اور نہ لکھا نیز لوگوں کے ذہن سے بیعت والا واقعہ تقریباً محو ہو چکا تھا۔

۱۹۳۵ء میں شاہ جی (بخاری) پر ایک اشتعال انگیز تقریر کے مقدمہ کی شکل میں آ گئی۔ جو کہ ان پر ۱۹۳۴ء میں قادیان کانفرنس میں اشتعال انگیز تقریر کرنے کے الزام میں بنایا گیا تھا۔ مقدمہ کا مدعی بہت مضبوط تھا۔ یعنی قادیانی گروہ اور اس کے پیچھے انگریز گورنمنٹ۔ تیسری بات یہ کہ جج بھی غیر مسلم۔ چونکہ یہ مقدمہ سیاسی نوعیت کا تھا اس لئے اس کے ساتھ سیاسی طریقہ ہی سے نمٹا جا سکتا تھا۔ اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ باہر سے ایسا دباؤ بڑھایا جائے کہ جج کوئی فیصلہ کرنے کے وقت یہ سوچے کہ جس شخصیت کے خلاف مقدمہ چل رہا ہے اس کے خلاف فیصلہ دیتے وقت سیاسی اور قومی سطح پر کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس کے لئے میں نے دو کام کئے۔

پہلا یہ کہ میں نے اس وقت کے ان تمام مشہور مسلمان بزرگوں کو خطوط لکھے جن کا حلقہ اثر بہت وسیع تھا۔ جس میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری دامت برکاتہم شامل ہیں۔ حضرت اقدس رائے پوری کی خدمت میں میں بذات خود حاضر ہوا۔ حضرت نے بڑی ہی الحاح وزاری سے دعا کروائی۔ نیز اپنے متوسلین سے بھی ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کے لئے زور دیا۔

دوسرا یہ کہ اس معاملہ پر میں نے مجلس احرار کے سرکردہ حضرات کو لاہور میں بلایا۔ جس میں چوہدری افضل حق مرحوم، مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا مظہر علی اظہر اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری شامل تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا اس وقت مجلس احرار کے ترجمان کی حیثیت سے پورے ہندوستان میں طوطی بولتا تھا۔ میں نے سب حضرات کے سامنے صورت حال کو رکھ کر کہا کہ شاہ جی کے مقدمہ میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ان کو مجلس احرار میں کوئی ایسا عہدہ دیا جائے جس سے ان کی حیثیت کا وزن بن جائے اور اس کی وجہ سے جج فیصلہ کرنے کے وقت یا تو بری کر دے یا کم از کم سزا دے۔ اس کے لئے میری تجویز یہ ہے کہ شاہ جی کو مجلس احرار اسلام کا امیر بنا دیا جائے۔ میں مجلس احرار کی صدارت سے مستعفی ہوتا ہوں۔ میری اس تجویز پر سب لوگ حیران و پریشان ہو گئے۔ سید عطاء اللہ شاہ

بخاری صاحب تو اس بات پر باقاعدہ مجھ سے لڑنے پر اتر آئے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ امارت چھوڑیں گے تو مجلس احرار کی کیا حیثیت رہ جائے گی۔ اور ساتھ یہ دھمکی بھی دی کہ ایسی صورت میں، میں مجلس احرار چھوڑ دوں گا۔ اللہ جزائے خیر دے شاہ جی (بخاری) کو کہ وہ عہدے کے لالچ میں کبھی نہیں پڑے۔ میں نے کہا کہ اگر میری یہ تجویز آپ لوگوں کو پسند نہیں تو میری دوسری تجویز یہ ہے کہ شاہ جی کی امارت کے لیے عوام الناس سے براہ راست بیعت لی جائے۔ اس پر چوہدری افضل حق نے کہا کہ ایک جماعت میں دو امیر کیسے ہو سکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ شاہ جی کے لئے کسی دوسرے عنوان سے بیعت لی جا سکتی۔ اور یہ امارت جماعتی عہدے سے علیحدہ تصور کی جائے گی، جماعت رہے نہ رہے شاہ جی ہمیشہ اسی عہدے پر رہیں گے۔ شاہ جی کی اہمیت کو اجاگر کرنا مقدمہ پر اثر انداز ہونے کے لئے بہت ضروری ہے۔ میں نے ان کو یاد دلایا کہ ۲۹ء میں لاہور میں حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کی موجودگی میں سینکڑوں علماء نے شاہ جی کی بیعت بھی کی ہے۔ تو شاہ جی (بخاری) نے کہا کہ وہ بات اب پرانی ہو چکی ہے۔ میں نے کہا کہ اسی بیعت کو نئے انداز میں متعارف کرایا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے میری تجویز یہ ہے کہ ''امیر شریعت'' کے عنوان سے عوام الناس سے ان کی بیعت لی جائے۔ جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ طبقہ جو مجلس احرار کے ساتھ نہیں ہے وہ بھی شریعت کے نام پر بیعت کر لے گا۔ میں نے کہا کہ جس طرح بہار میں ''امیر شریعت'' کا خطاب مولانا منت اللہ بہاری کو دیا گیا ہے اسی طرح پنجاب میں ''امیر شریعت'' کے عہدے کے لئے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی بیعت لی جائے۔ شاہ جی (بخاری) مطمئن نہیں تھے مجھے کہنے لگے بھائی صاحب میں اس کا اہل نہیں ہوں جو بوجھ آپ مجھ پر ڈال رہے ہیں وہ میں نہیں اٹھا سکتا۔ میری چونکہ شاہ جی سے بے تکلفی تھی اس لئے میں نے کہا آپ چھوڑ دیں یہ میرا بحیثیت صدر مجلس احرار فیصلہ ہے۔ اس پر شاہ جی خاموش ہو گئے۔ باقی سب حضرات نے بھی مجھ پر یہ کام چھوڑ دیا۔

شاہ جی پر مقدمہ چونکہ گورداسپور کی عدالت میں چل رہا تھا اس لئے میں نے اس کام کے لئے گورداسپور کا ہی انتخاب کیا۔ چنانچہ میں نے مشورہ کر کے گورداسپور میں رمضان المبارک میں جمعہ

الوداع کا دن شاہ جی (بخاری) کی بیعت کے لیے مقرر کر دیا۔ اور اعلان کروا دیا کہ تمام مسلمان جمعۃ الوداع سرکاری پریڈ میدان میں ادا کریں۔ مغرب اسی ہزار مسلمان سرکاری پریڈ میدان میں جمع ہوئے اس میں شاہ جی نے جمعہ پڑھایا۔ میں نے مولانا محمد قاسم صاحب شاہجہان پوری اور مولانا ابو الوفاء صاحب شاہجہان پوری دونوں کو مقرر کر دیا کہ وہ لوگوں سے شاہ جی (بخاری) کے لیے بیعت لیں، چنانچہ ان دونوں نے لوگوں سے شاہ جی کے لیے "امیر شریعت" کے نام پر بیعت لی۔ لیکن خود بیعت نہیں کی۔ بس واقعہ کی حقیقت اتنی ہے جس کو آپ نے اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے۔ البتہ لاہور سے ہمارے مخالف ایک اخبار نے اس بیعت کا خوب مضحکہ اڑایا۔ الٹی سیدھی باتیں لکھ کر یہ جھوٹا پروپیگنڈا کیا کہ مجلس احرار میں صدارت کے عہدے کے لئے اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ مجلس احرار اسلام کے صدر مولوی حبیب الرحمن لدھیانوی نے اپنی صدارت بچانے کے لئے احرار کے سرکردہ لیڈر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو رام کرنے کے لئے ان کے نام کے ساتھ "امیر شریعت" کا دم چھلا لگا کر ان کو مطمئن کر دیا ہے۔ اور عوام الناس سے ان کے لئے گورداسپور کے سرکاری پریڈ میدان میں "امیر شریعت" کے نام پر بیعت بھی لے لی ہے۔ اس قسم کی کچھ اور گھٹیا باتیں بھی مزے لے لے کر لکھیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مجلس احرار میں ان دنوں میں کسی بھی قسم کا اختلاف نہیں تھا۔

اس تفصیل سے تین باتیں واضح ہو گئیں۔

(۱) حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ جی (بخاری) کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر بیعت نہیں کی بصرف ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ میں ان کو اس کا اہل سمجھتا ہوں۔

(۲) جو اس کا محرک تھا یعنی "میں" نے بیعت نہیں کی

(۳) حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو بیعت لی تھی وہ "امیر شریعت" کے عنوان سے نہیں لی تھی بلکہ صرف "امیر" کے نام سے ایک عام بیعت لی تھی، زیادہ سے زیادہ اس بیعت کو "امیر جہاد" کی بیعت کہا جا سکتا ہے۔

امیر شریعت کے عنوان سے بیعت ۱۹۳۵ء میں گورداسپور میں جلسہ عام میں عامۃ الناس سے لی گئی۔ اگرچہ کچھ لوگ حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ والی بیعت کو "امیر شریعت" کے عنوان کے ساتھ جوڑتے ہیں تو یہ ان کی غلط فہمی اس بنا پر ہے کہ وہ لوگ ۱۹۳۵ء والی جلسہ عام کی بیعت

کے وقت موجود نہ تھے۔ جب سید عطاء اللہ شاہ بخاری اس بیعت عام کی وجہ سے "امیر شریعت" مشہور ہو گئے تو وہ حضرات یہ سمجھے کہ حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے جو بیعت لی تھی وہ امیر شریعت کی بیعت تھی۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔

## ضروری وضاحت

ایک اور بات کی وضاحت کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ میں نے شاہ جی (بخاری) کی بیعت لینے کے وقت حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو یہ کہا تھا کہ پیر کو چاہیے کہ وہ مرید کے ہاتھ پر بیعت کرے، یہ صرف مزاح کی حد تک تھا۔ ورنہ شاہ جی (بخاری) اس وقت تک پیر مہر علی شاہ راولپنڈی والوں سے بیعت تھے۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری دامت برکاتہم سے بیعت ہو گئے تھے۔

شاہ جی بخاری کے حضرت اقدس رائے پوری مدظلہ سے بیعت کا بھی ایک عجیب قصہ ہے۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں میں یہ بھی لکھ دیتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ شاہ جی (بخاری) پہلے پیر مہر علی شاہ صاحب سے بیعت تھے مگر پیر صاحب اور ان کی اولاد کی طرف سے انگریز کے ساتھ مفاہمانہ پالیسی کی بنیاد پر شاہ جی (بخاری) مطمئن نہیں تھے۔ میرے ساتھ شاہ جی نے اس سلسلے میں کئی دفع بات کی، میں نے خاموش رہنے کو کہا۔ پھر جب پیر مہر علی شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا تو میں نے شاہ جی سے کہا کہ اب کیا ارادہ ہے۔ شاہ جی نے کہا کہ اب تم کہو۔ میں نے کہا کہ میری نگاہ تو حضرت اقدس رائے پوری کے سوا کسی پر نہیں ٹکتی۔ تو شاہ جی نے پوچھا کہ اس کی کوئی خصوصیت؟ میں نے کہا کہ "میں ہندوستان کی تمام خانقاہوں میں پھرا ہوں میں نے ان میں دو باتیں دیکھی ہیں، انگریز کی حمایت یا انگریز کا خوف۔ اللہ کا خوف کسی میں نہیں دیکھا۔ اگر اللہ کا خوف دیکھا ہے تو اس خانقاہ میں دیکھا ہے" اس پر شاہ جی (بخاری) پھڑک اٹھے اور کہا کہ مجھے فوراً لے چلو۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ شاہ جی (بخاری) کو حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم سے سب سے پہلے متعارف میں نے ہی کرایا تھا۔ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے متعارف کرانے کے واقعے کی تفصیل آپ کو معلوم ہے۔ حضرت اقدس رائے پوری کے ساتھ تعارف کا قصہ یوں ہے کہ شروع شروع میں جب شاہ جی کا میرے ساتھ تعلق ہوا

اور پھر شاہ جی کی خطابت کے چرچے ہر طرف ہونے لگے تو ایک دن اللہ والے درویشوں کی باتیں ہونے لگیں تو میں نے شاہ جی سے کہا کہ آؤ آج میں تمہیں ایک اللہ والے درویش سے ملاؤں۔ میں شاہ جی کو لے کر حضرت اقدس کے پاس رائے پور حاضر ہوا۔ حضرت اقدس کو شاہ جی کا تعارف کرایا اور بتایا کہ یہ ایک بڑے خطیب ہیں اسلام اور آزادی کے لیے پورے ملک میں کام کر رہے ہیں۔ تو حضرت اقدس نے انہیں گلے لگایا، ان کا بہت احترام کیا۔ اس کے بعد جب بھی حضرت اقدس کے پاس میں شاہ جی کو لے کر حاضر ہوتا تھا تو حضرت اقدس شاہ جی کی بڑی آؤ بھگت کرتے، اپنے ساتھ بٹھاتے اپنے ہاتھ سے نوالے کھلاتے اور ان کی خدمات کا کھلے عام تذکرہ فرماتے۔ اب جبکہ میں نے حضرت اقدس سے شاہ جی کی بیعت کے بارے میں عرض کی تو حضرت نے خاموشی اختیار فرمائی، بس اتنا فرمایا کہ دیکھتے ہیں۔ اسی دن شام کو بہٹ سے شاہ مسعود آ گئے، ان کا کوئی کام تھا میرے جانے سے بنتا تھا اس لیے وہ مجھے زبردستی ساتھ لے گئے۔ مجھے دو تین دن بہٹ اور سہارنپور میں لگ گئے۔ میں جب واپس رائے پور آیا تو دیکھا کہ شاہ جی مغموم بیٹھے ہیں۔ شاہ جی مسجد میں بیٹھے تھے، میں نے شاہ جی سے احوال پوچھے تو رقت آمیز لہجے میں کہا کہ بھائی صاحب آپ چلے گئے اور مجھے یہاں کسی نے پوچھا ہی نہیں۔ حضرت کی طرف سے بھی پہلے والی توجہ نہیں ملی۔ میں حضرت اقدس کے پاس حاضر ہوا، حضرت اقدس نے میرے سوال کرنے سے پہلے ہی فرمایا کہ شاہ جی خطیب اور عوامی لیڈر ہیں، اس قسم کے حضرات عوام کی طرف سے داد ملنے پر کبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جبکہ خانقاہی نظام اس سے مختلف ہے۔ میں نے شاہ جی کو ابھی تک بیعت اس لیے نہیں کیا تا کہ وہ کچھ دن خانقاہ میں رہ کر خانقاہی نظام کو سمجھ لیں، اگر پسند آ جائے تو بیعت کر لیں۔ اس سے پہلے چونکہ وہ ایک خطیب اور لیڈر کی حیثیت سے آتے تھے تو ان کی آؤ بھگت ہوتی تھی، میں نے سوچا کہ لیڈری نکل جائے۔ میں نے عرض کیا کہ وہ تو نکل چکی ہے تو اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ میرا لاہور سفر کا ارادہ ہے، وہاں پر آپ شاہ جی کو لے کر آ جائیں۔ چنانچہ کچھ ہی عرصے کے بعد حضرت اقدس لاہور تشریف لے گئے۔ میں شاہ جی کو لے کر حضرت اقدس کے پاس پہنچا۔ غالباً یہ مکان مولانا عبداللہ فاروقی کا تھا، تو حضرت نے شاہ جی کو بیعت

فرمایا۔ بیعت کے وقت انتہائی رقت آمیز منظر تھا۔ شاہ جی کی آنکھوں میں آنسو تھے اور حضرت اقدس کی طبیعت پر بھی گہرا اثر تھا۔

نوٹ: سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب ابھی زندہ ہیں میری یہ تحریر بھیج کر ان سے ان تمام باتوں کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

(۲) دوسری بات آپ نے یہ لکھی ہے کہ گاندھی جی نے نمک سول نافرمانی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے کے بعد شروع کی۔ یہ بات بھی غلط ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب گاندھی جی نے نمک سول نافرمانی کا اعلان کیا تو اس وقت سوال پیدا ہوا کہ نمک پر محصول لگانا کس حکومت پر جائز ہے اور کس پر ناجائز۔ سب سے پہلے یہ سوال لدھیانہ میں میرے مکان پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کیا گیا۔ اس پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نمک کے سلسلہ میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ارشاد فرمائیں۔ جو بعد میں چھپ کر منظر عام پر آ گئیں باقاعدہ فتویٰ جاری نہیں فرمایا۔

(۳) تیسری بات آپ نے لکھی ہے کہ گاندھی جی نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کی خواہش کی تھی مگر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ملنے سے انکار فرمادیا۔ یہ بات آپ نے بالکل غلط لکھی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگست ۱۹۳۱ء میں گاندھی جی جب راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں لندن جا رہے تھے تو اس زمانے میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین اور میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں شریک ہونے کے لئے بمبئی گئے تھے۔ اس میں ہم نے گاندھی جی کو راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں جانے سے روکا تھا۔ مگر گاندھی جی ہماری بات کو مسکرا کر ٹال گئے۔ اسی زمانے میں میری گاندھی جی سے کئی ملاقاتیں ہوئیں جس کی وجہ سے میں گاندھی جی کے قریب ہوگیا۔ انہی دنوں میں ایک دن ملاقات طویل ہوگئی۔ اس گفتگو میں گاندھی جی نے کہا کہ ہم نے سنا ہے یہاں ڈابھیل میں کوئی بہت بڑے بزرگ شاہ صاحب رہتے ہیں، میں ان سے ملنے کے لئے جانا چاہتا ہوں، ان سے ملنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ میں نے کہا کہ میں آپ کو ساتھ لے چلوں گا۔ تو گاندھی جی نے کہا کہ ابھی تو میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں لندن جا رہا ہوں، واپسی میں آ کر ملوں گا۔ مگر بدقسمتی یہ ہوئی کہ گاندھی جی راؤنڈ ٹیبل سے آ کر گرفتار

ہو گئے۔ اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما گئے۔

گاندھی جی کے دل میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کی کیوں خواہش پیدا ہوئی۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ خان عبدالغفار خان سرحدی گاندھی اور محترم دیوی داس گاندھی، جو گاندھی جی کے منجھلے بیٹے ہیں ان دونوں کو ایک دفعہ میں اور مولانا حفظ الرحمٰن بمبئی سے ڈابھیل لے گئے۔ ڈابھیل میں پبلک جلسہ ہوا جس میں ان دونوں حضرات نے تقریریں کیں۔ اس جلسہ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ جب یہ دونوں جب تقریریں کر چکے تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہندو اور مسلمان میں دلی اتحاد کی ضرورت ہے۔ بادشاہ خان (عبدالغفار خان) کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ تنہائی میں جہاں ہندو نہ ہوں مسلمانوں کو سمجھائیں کہ ہندوؤں کا لحاظ کیا کریں اسی طرح دیوی داس گاندھی سے کہا کہ آپ تنہائی میں جہاں مسلمان نہ ہوں ہندوؤں کو سمجھائیں کہ وہ دل سے مسلمانوں کا لحاظ کریں۔ اس کے بعد فرمایا کہ

”دو آدمیوں کے متحد ہونے کے لئے شریف ہونا شرط ہے ہم مذہب ہونا نہیں۔ تاریخ میں اکثر واقعات ایسے لکھے ہیں کہ ہم مذہبوں نے ہم مذہبوں کو قتل کیا ہے۔ اور مذہب کو سب سے زیادہ نقصان ہم مذہبوں نے پہنچایا مگر شریف لوگ مخالف مذہب ہونے کے باوجود اکٹھے رہے“

یہ سارا واقعہ جب گاندھی جی نے سنا اور بالخصوص آخری جملہ تو ان کے دل و دماغ پر نہ مٹنے والا اثر ہوا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ شاہ صاحب کے اس آخری جملہ نے علم و نظر کے دروازے کھول دیئے۔ انہوں نے دنیا کی ساری تاریخ اس ایک فقرے میں جمع کر دی۔

حضرت شاہ صاحب کے ان خیالات کے بعد یہ کہنا کہ انہوں نے گاندھی جی سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات کی نفی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب میں نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے گاندھی جی کی طرف سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انکار نہیں فرمایا۔

میں نے اپنی خراب صحت کی باوجود وقت نکال کر اپنی یادداشت کے مطابق ان تاریخی واقعات کی تصحیح کر کے لکھوا دیا ہے تا کہ کسی کو کوئی غلط فہمی نہ رہے

والسلام۔ حبیب الرحمٰن لودیانوی

---

# صرف علماء دیوبند کے خلاف تنقیدی مہم کیوں؟

مولانا مجاہد الحسینی

متحدہ ہندوستان کی تقسیم کے طریق کار کی تائید اور مخالفت کے سلسلے میں اگرچہ بہت سی شخصیات اور جماعتوں کے نام آتے ہیں، مسلم لیگ نے مسلم اکثریت کے چند علاقے پاکستان میں شامل کرنے اور مسلم اقلیت کے اضلاع سے تبادلہ برائے پاکستان اور غیر مسلم اقلیت کے اضلاع سے تبادلہ برائے ہندوستان کا فارمولا تسلیم کر لیا تھا۔ اس کے مطابق مسلمان تین حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ چنانچہ مسلم اکثریت کا صوبہ یوپی ہندوستان میں رہ گیا اور پاکستان دو حصوں میں قائم کیا گیا تھا ایک مشرقی پاکستان اور دوسرا مغربی پاکستان، اسی طرح پنجاب کے بھی دو حصے کر دیئے گئے تھے ایک مشرقی اور دوسرا مغربی پنجاب۔

انگریز حکمرانوں نے ہندو سکھ لیڈروں کے ساتھ ساز باز کر کے ہندوؤں کی یکجا بہت بڑی سلطنت قائم کر دی تھی اور تقسیم کے مرحلے میں مسلمانوں کو سیاسی طور پر مفلوج کرنے کے ساتھ ساتھ لاکھوں مسلمان بے دریغ شہید کر کے خون کے دریا بہا دیئے۔ ان کی عفت مآب اور باکباز خواتین جبراً ہندو سکھ بنالی گئی تھیں، غرضیکہ ظلم و ستم کا کوئی حربہ ایسا نہ تھا جو تقسیم ہند کے وقت مسلمانوں کے خلاف نہ آزمایا گیا ہو۔

ایسے ہولناک واقعات کے صدمے برداشت کرنے کے بعد جب مسلمان مشرقی پنجاب اور دیگر اضلاع سے پاکستان میں آ کر آباد ہو گئے تو تحریک قیام پاکستان کے بانیوں نے "مقاصد" سے انحراف کر کے "مفادات" پر ہی ساری توجہ مبذول کر دی اور غیر مسلموں کی چھوڑی ہوئی جائیداد پر قبضہ کرنے، ان کی متروکہ دولت سرمایہ کو لوٹ مار اور ہر جائز ناجائز طریقے سے حصول اقتدار کی تگ و دو کو ہی زندگی کا مقصد اور ہدف بنایا اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

بہر نوع قیام پاکستان کو اب ستر برس ہونے کو ہیں لیکن افسوسناک صورت یہ ہے کہ اس ملک کے مفاد پرست اہل قلم اور صحافی اپنے آقایان ولی نعمت کی خوشنودی کی خاطر اپنا زور قلم پاکستان کے استحکام، خوش حالی اور غریب عوام کی معاشی ضروریات پوری کرنے پر صرف کرنے کے بجائے صرف ان علماء دیوبند پر طرح طرح کے الزامات عاید کر کے اپنا دل اور کاغذ سیاہ کرنے میں سرگرم

ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے انتقالی مرحلے کو آج ۲۰۰۸ء میں موضوعِ سخن بنانا اگر صحیح ہے تو اس سارے تاریخی پس منظر کو سامنے لاکر حقائق بیان کرنا کیوں صحیح نہیں؟ پھر کیا وجہ ہے کہ تحریک قیام پاکستان کی تو یونینسٹ پارٹی، جماعت اسلامی، تحریک خاکسار، نیشنل عوامی پارٹی (خدائی خدمت گار) سندھ و پنجاب کے جی ایم سید، اور بلوچستان کے اچکزئی وغیرہ نے بھی مخالفت کی تھی ان کے خلاف بھی ایسی مخالفانہ مہم نہیں چلائی جاتی۔ حتیٰ کہ مسلم لیگی رہنماؤں نے صوبہ سرحد کے رہنما خان عبد الغفار خاں جن کی زندگی کا بیشتر حصہ فرنگی سامراج کے خلاف تحریک آزادی میں حصہ لیتے گزرا تھا، سے کانگریس کے ایجنٹ، سرحدی گاندھی اور غدارِ پاکستان کے القاب سے یاد کیا گیا اور ان کے خلاف خوب پروپیگنڈا کیا گیا، جس کے باعث اس نے پاکستان میں دفن نہ کرنے کی وصیت کی جو پوری کی گئی اور اس کی قبر جلال آباد (افغانستان میں ہے) انہوں نے بھی تحریک قیام پاکستان کی حمایت نہ کی بلکہ زبردست تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ لیکن یہ عجیب کرم فرمائی ہے کہ قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگ کے رہنما اور سابق وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف نے سرحدی گاندھی کے فرزند ولی خان مرحوم کی رہائش گاہ پر جاکر نہ صرف ان سے ملاقات کا شرف حاصل کیا بلکہ ان کی پارٹی کے رہنماؤں اجمل خان خٹک وغیرہ کو شریک اقتدار کیا تھا، جب کہ وہ کابل ریڈیو سے پاکستان کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کرنے میں سرگرم رہے تھے اور آج بھی صوبہ سرحد میں اسی خان عبد الغفار خاں کی جماعت برسرِ اقتدار ہے، کیا انہوں نے تحریک قیام پاکستان کے ہراول دستے کے طور پر خدمات انجام دی تھیں۔ ان کے خلاف بھی ایسی مہم نہیں چلائی جاتی۔

مسلم لیگی رہنماؤں کی دوستی اور دشمنی کے پیمانے الگ الگ ہیں، جن علماء دیوبند شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نے ۱۹۴۷ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی جنہوں نے پاکستان کو ایک مسجد سے مماثل قرار دے کر اس کے استحکام کے لیے دعائیہ کلمات ادا کیے اور زندگی بھر کبھی نہ مسلم لیگ کے بانیوں اور دیگر رہنماؤں کے خلاف کبھی تقریری اور نہ تحریری کوئی لفظ استعمال کیا اور جنہیں خدا کو پیارے ہونے پر آج نصف صدی سے زائد عرصہ گزر رہا ہے ان کی ذات گرامی کو مسلسل طعن و تنقید کا نشانہ بنانے میں پاکستانی اہل قلم شب و روز ایک کر رہے ہیں، بانی پاکستان جناب محمد علی جناح سے ۱۹۴۷ء میں پچاس ہزار روپے طلب کرنے کا جھوٹا الزام عائد کرکے اربوں کھربوں روپے کا قومی سرمایہ ہڑپ کرنے والوں کو اپنے گریباں میں جھانکنا چاہیے۔

---

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے اگر ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگی رہنماؤں کی وعدہ خلافی کا شکوہ کیا تھا تو کونسا جرم کیا کہ انہیں اب تک معاف نہیں کیا جارہا، جب کہ حقائق سب پر واضح ہیں۔

روزنامہ جنگ کے کالم نگار حامد میر صاحب نے مولانا فضل الرحمن کے طرز عمل پر تنقید کرتے ہوئے آخر کس بنیاد پر حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور دیگر علماء دیوبند کو تنقید وتنقیص کا نشانہ بنایا ہے؟ انہیں صرف مولانا فضل الرحمن اور ان کی جماعت کے ساتھ موجودہ سیاسی موقف اور تغیر پذیر پالیسی پر رائے زنی پر کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ لیکن اکابر علماء دیوبند کو بلاوجہ ہدف تنقیص بنا لینے کو معمول بنانا ہرگز برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ انہیں اپنی توجہ اور زور قلم پاکستان اور یہاں کے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کے طرز عمل پر ہی مرکوز رکھنا چاہیے اس میں سب کی بھلائی ہے۔

## مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی مسلم لیگ میں شمولیت

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مذہبی اور سیاسی اعتبار سے معتدل مزاج اور روادارانہ طرز عمل رکھتے تھے۔ امت مسلمہ کے وسیع تر مفاد کی خاطر لچک دار رویے کے مالک تھے وہ ہر اس تنظیم اور تحریک کے حامی تھے، جو مسلمانوں کے مفاد کی خاطر سرگرم عمل ہوتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر اس انقلابی جماعت میں شریک ہونے کے لئے تیار ہوں جو برطانوی اقتدار اور شہنشاہیت کو ہندوستان سے ختم کرنے یا کم کرنے کی سچائی سے کوشش کرتی ہو اور اپنی پالیسی عدم تشدد رکھتی ہو۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضرت مدنی کی مسلم لیگ میں شرکت اور انقطاع کے زیر عنوان مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی نے اپنی کتاب "چراغ محمد" کے صفحہ ۳۱۸ پر مفصل معلومات فراہم کرتے ہوئے مولانا سید حسین احمد مدنی کا ایک مکتوب گرامی نقل کیا ہے کہ:

"۱۹۳۶ء کے قریبی زمانے میں مسٹر جناح نے مسلم لیگ کو زندہ کرنے کی کوشش کی وہ رجعت پسند عناصر سے تنگ آگئے تھے، انہوں نے جمعیت، احرار اور دوسری ترقی پسند جماعتوں سے اتحاد کیا، خود مسٹر جناح نے بمبئی کرانیکل میں جون ۱۹۳۶ء میں ایک مضمون شائع کیا تھا، جس کا خلاصہ مدینہ بجنور ۷ر فروری ۱۹۳۶ء میں پانچ دفعات پر مشتمل تھا، آخری شق یہ تھی کہ "لیگ کے صدر کی حیثیت سے میرا خیال ہے کہ ایسے چالاک لوگوں کو جن کا مقصد حکومت کے ماتحت عہدے حاصل کرنا ہے اور جنہیں

عوام کے حقوق، ضروریات اور مفادات کی مطلق پروا نہیں۔ سیاسی میدان سے نکال دیا جائے۔" اس سے آگے کی تحریر خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ حضرت شیخ مدنیؒ لکھتے ہیں کہ

"مسٹر جناح نے ۱۹۳۷ء کے الیکشن کے لئے جمعیت علماء ہند (اور مجلس احرار) سے اتحاد و تعاون چاہا۔ وہ زمانہ انگلش کی حکومت کا تھا اور آزادی خواہ جماعتوں کی ہر قسم کی غیر قانونی جدوجہد پر سخت پابندیاں عائد تھیں۔ مسٹر جناح نے چند گھنٹے ہم سے گفتگو کی اور کہا کہ میں ان رجعت پسندوں سے عاجز آ گیا ہوں اور ان کو رفتہ رفتہ لیگ سے خارج کر کے صرف آزاد خیال ترقی پسند لوگوں کی جماعت بنانا چاہتا ہوں۔ تم لوگ اس میں داخل ہو جاؤ۔

ہم نے کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو خارج نہ کر سکے تو کیا ہوگا؟ فرمایا کہ اگر میں ایسا نہ کر سکا تو میں تم لوگوں میں آ جاؤں گا اور لیگ کو چھوڑ دوں گا۔ اس پر مولانا شوکت علی اور دیگر حضرات نے اطمینان کیا اور تعاون کرنے پر تیار ہو گئے۔ چنانچہ ہم نے پورا تعاون کیا اور تقریباً پونے دو مہینہ کی رخصت بوضع تنخواہ دارالعلوم سے لی اور انتہائی جدوجہد کی کہ اگریکلچرسٹ پارٹی اور دوسرے رجعت پسند امیدواروں کو شکست ہوئی اور تقریباً تیس یا اس سے زائد ممبر لیگ کامیاب ہو گئے۔ اس پر چودھری خلیق الزماں نے مجھ کو خط میں لکھا کہ تیس (۳۰) برس کی مردہ لیگ کو تم نے زندہ کیا۔ ہم نے لیگ کا تعارف عام مسلمانوں سے کرایا اور لیگ کی آواز کو ہر جگہ پہنچا دیا۔" (چراغ محمد: ص ۳۳۰)

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ برصغیر کے علماء و مشائخ میں سے مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی واحد ذات گرامی تھی جس نے سیاسی اختلاف کو بالائے طاق رکھ کر مسلم لیگ میں شمولیت کے ساتھ ساتھ اس کی کامیابی کی خاطر عملاً حصہ لینے کا مثالی کارنامہ انجام دیا تھا جبکہ دیگر وہ علماء و مشائخ جو نظریاتی طور پر اگرچہ قائد اعظم اور مسلم لیگ کی جدوجہد کے حامی تھے مگر مسلم لیگ میں باقاعدہ کسی نے نہ تو شمولیت اختیار کی اور نہ ہی صوبہ یوپی یا کسی دوسرے علاقے میں مسلم لیگ کی کامیابی کی خاطر حضرت مدنیؒ کی طرح شب و روز ایک کئے تھے۔ اس خدمت کا صلہ بے وفائی کی صورت میں عطا کیا گیا تھا۔

جس کا تذکرہ قائد اعظم کے معتمد خاص اور مسلم لیگ کے مرکزی رہنما چوہدری خلیق الزمان نے اپنی کتاب ''شاہراہ پاکستان'' کے صفحہ ۴۳۲ پر کیا ہے۔ علاوہ وازیں انہوں نے صفحہ ۴۰۶ پر مسلم لیگ بمبئی کے اجلاس کے زیر عنوان لکھا ہے ''مسٹر جناح کی دعوت پر مولانا احمد سعید دہلوی نے بھی مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کی۔ اس جلسہ میں نواب زادہ لیاقت علی مسلم لیگ کے سکرٹری جنرل منتخب ہوئے تھے۔''

اس سے آگے تحریر کیا ہے کہ

''مسٹر جناح نے مئی ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے ممبروں کے نام کا اعلان کر دیا اور ان کا ایک جلسہ مینی فیسٹو اور پارلیمنٹری بورڈ کے ضوابط تیار کرنے کے لیے ۸ جون ۱۹۳۶ء کو لاہور میں طلب کیا۔ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں ہم لوگوں کی قطعی اکثریت تھی۔ یعنی راجہ سلیم پور، مولانا شوکت علی، مولانا حسین احمد، راجہ محمود آباد، نواب اسمٰعیل خاں اور نواب زادہ لیاقت علی خان۔

ان سات میں نواب زادہ لیاقت علی کے ماسوا سب یوپی بورڈ کے ممبر تھے۔ اس جلسہ میں پارلیمنٹری بورڈ کے تقریباً تمام ممبران جن میں راجہ صاحب سلیم پور، مولانا شوکت علی، نواب اسمٰعیل خان، راجہ محمود آباد، مولانا حسین احمد، مفتی کفایت اللہ اور احرار پارٹی کے نمائندے شریک ہوئے۔ اس بورڈ نے تین آدمیوں کی ایک کمیٹی بنائی جس میں نواب اسمٰعیل خاں اور عبدالمتین چوہدری شامل تھے کہ وہ پارلیمنٹری بورڈ کے ضوابط اور اس کا مینی فسٹو تیار کرے۔ کمیٹی کا کام ختم ہونے پر ضوابط اور مینی فسٹو منظور کے لیے پیش ہوئے۔ جمعیۃ علماء ہند کے ممبران نے اس بورڈ میں بھی وہ سوال اٹھایا کہ مسلم لیگ کی طرف سے کوئی بل مذہبی نوعیت کا پیش نہ ہو جس کو جمعیۃ العلماء کی حمایت حاصل نہ ہو مگر بورڈ نے اسے قبول نہیں کیا۔ (شاہراہ پاکستان صفحہ ۴۰۶)

یہاں خصوصی طور پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ یوپی کا وہ علاقہ جہاں ۱۹۳۶ء کے الیکشن میں ۳۰ سے زائد مسلم لیگی اراکین اسمبلی حضرت مدنی کی جدوجہد سے کامیابی سے ہمکنار ہوئے تھے اور جہاں آج بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے وہ علاقہ تو پاکستان میں شامل نہ کیا جا سکا اور جہاں مسلم لیگ کو خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی تھی جب کہ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان وغیرہ صوبوں میں یونینسٹ پارٹی پنجاب، خدائی خدمت گار عبدالغفار خان کی پارٹی سرحد میں، جی ایم سید سندھ اور بلوچستان میں اچکزئی پارٹی نے غالب اکثریت حاصل کی تھی۔ ان علاقوں کو پاکستان میں شامل کر لیا گیا۔ یہی حضرت مدنی کا اختلاف تھا۔ وہ پاکستان کے وجود کے خلاف نہیں بلکہ غیر فطری تقسیم کے خلاف تھے۔ یہ مسلم اکثریت کا بڑا صوبہ یوپی اور دہلی تک کا علاقہ متحدہ پنجاب سمیت اگر پاکستان میں شامل ہوتا تو بڑی اسلامی مملکت کیا قائم ہوتی۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار۔**

---

جہاں تک قیام پاکستان کے بعد حضرت مدنیؒ کے نظریات کا تعلق ہے اس سلسلے میں جمعیۃ علماء ہند کے ترجمان روزنامہ الجمعیۃ دہلی کا ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء کو شیخ الاسلام نمبر شائع ہوا تھا۔ اس کے صفحہ نمبر ۷۱ پر ایک سائل کی طرف سے پاکستان کی بابت سوال کے جواب میں حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ ''مسجد جب تک نہ بنے اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن جب وہ بن گئی تو مسجد ہے۔'' یعنی مسجد کی تعمیر کے بعد امت مسلمہ پر اس کی حفاظت کی ذمہ داری عاید ہے اور اسے قائم رہنا چاہیے۔

اس کی تائید وحمایت میں پنجاب مسلم لیگ کے صدر چوہدری رحمت علی علوی مرحوم نے اپنی کتاب قائداعظم انگلستان سے پاکستان تک کے صفحہ ۱۵۲ پر رقم طراز ہیں کہ ''شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری کو اپنے ایک مکتوب گرامی میں لکھا ہے کہ ''پاکستان ایک اسلامی ریاست کی حیثیت سے معرض وجود میں آ گیا ہے۔ اب یہ مسجد کے درجے میں ہے۔ اس کی حفاظت ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔

(اللہ اللہ! پاکستان ایک مسجد ہے تو اس کے بانی کا کیا مرتبہ ہوگا۔ (قائداعظم انگلستان سے پاکستان تک ''اشاعت اول'')

بہر نوع ان حقائق کی روشنی میں اکابر علماء و شیوخ کے احترام و اعزاز میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا چاہیے۔ اور ان لوگوں کو اپنے اس خیال کی اصلاح کرلینی چاہیے جو ہمہ وقت رطب اللسان رہتے ہیں کہ اگر مولانا سید حسین احمد، مولانا ابوالکلام آزاد اور دوسرے علماء تحریک قیام پاکستان کے مرحلے میں قائداعظم کا ساتھ دیتے تو پاکستان کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ اب بتائیے کہ حقائق کیا ہیں؟

**مسلم لیگ رہنماؤں کا مقصد پاکستان سے انحراف:**

تحریک قیام پاکستان کے مرکزی رہنما اور قائداعظم کے مخلص رفیق کار حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے مسلم لیگی رہنماؤں کی وعدہ خلافی اور مقصد قیام پاکستان سے انحراف پر اپنی تفسیر معارف القرآن کے ابتدائی صفحات میں دیوبند سے اپنی داستان ہجرت بیان کرتے ہوئے جس مایوسی کا اظہار کیا ہے وہ ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے خصوصی مطالعہ کے لائق ہے۔ جو لوگ ۱۹۳۶ء کے انتخابی مرحلے کا حوالہ دے کر گڑے مردے اکھاڑنے کی کوشش میں اپنا اور قوم کا وقت ضائع کرنے میں سرگرم عمل رہتے ہیں انہیں سوچنا چاہیے کہ جن شخصیات نے تحریک قیام پاکستان کے سلسلے میں اپنی مخلصانہ تجاویز پیش کرکے صحیح رہنمائی کی تھی ان کے خلاف آج زہریلا پروپیگنڈا اچھے معنی دارد۔

مستقبل کی بابت ان بزرگوں کی حرف بہ حرف نشاندہی صرف بحرف پوری ہوئی ہے۔ دراصل علماء

--------------------------------------------------------------------------------

دیوبند کو وہ لوگ ہدف طعن وتنقید بنا رہے ہیں جو سیاسی بصیرت اور صحیح شعور وادراک سے تہی دامن ہیں۔ اور فرنگی سامراج کے دسترخوان سے لقمے زلہ کھا کر جن کی پرورش ہوئی ہے۔

اس سلسلے میں تحریک قیام پاکستان کے مرکزی رہنما حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نے کسی سیاسی کتاب میں نہیں بلکہ اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم کی تفسیر معارف القرآن کے ابتدائیے میں قائدین تحریک قیام پاکستان کی بے وفائی اور مقصد سے انحراف کا جن مایوس کن الفاظ میں تذکرہ کیا ملاحظہ فرمایا ہے۔

## قیام پاکستان کے بعد مفتی محمد شفیع کے تاثرات:

۱۹۴۷ء میں پاکستان کی تحریک قوی ہو کر پورے ملک میں پھیلی حضرت قدس (مولانا اشرف علی تھانویؒ) کے سابقہ ایما اور موجودہ اکابر کے ارشاد پر اس تحریک میں حصہ لیا اور دو سال کے شب وروز اس جدوجہد میں صرف کیے۔ مدراس سے پشاور تک اور مغرب میں کراچی تک پورے ملک کے دورے کیے۔ یہی تحریک پاکستان اور اس کی جدوجہد بالآخر دارالعلوم دیوبند سے استعفا دینے پر منتج ہوئی اور آخر کار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی دیرینہ تمنا پوری فرمادی کہ ہندوستان تقسیم ہو کر مسلمانوں کے لیے خالص اسلام کے نام پر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان کے نام سے وجود میں آ گئی۔

اسلامی سلطنت، اسلامی نظام اسلامی قانون کی قدیم تمنائیں اب امید کی صورت میں تبدیل ہونے لگیں اور اس کے ساتھ وطن مالوف کو ترک کرنے اور پاکستان کو وطن بنانے کی کشمکش دل میں موجزن ہوئی۔ وطن اصلی دیوبند کے علوم ومعارف کا مرکز اور منتخب علماء امت کا مرجع ہونے پر نظر جاتی تو سعدی شیرازی کا یہ شعر یاد آتا

تولائے مردان ایں پاک بوم
برانگیختم خاطر از شام و روم

لیکن جب ملک کے سیاسی حالات اور ہندوستان میں مسلمانوں اور ان کے اداروں کے مستقبل پر نظر جاتی تو کوئی روشن پہلو سامنے نظر نہ آتا اس کے خلاف پاکستان میں ہر طرح کی صلاح و فلاح کی امید بظاہر اسباب نظر آتی تھی ادھر یہ کشمکش جاری تھی اور دوسری طرف پورے ملک میں بدامنی اور قتل وغارت گری کے قیامت خیز ہنگامے کھڑے ہو گئے ہندوستان میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا لاکھوں انسانوں کو جبر پاکستان کی طرف دھکیل دیا گیا اور بچ جانے والوں کو عافیت کے ساتھ

جانے کا موقع بھی نہ دیا گیا۔ جا بجا قتل عام خون ریزی لوٹ مار اور اغوا کے روح فرسا مناظر تھے۔ کسی کا صحیح سالم پاکستان پہنچ جانا ایک معجزہ یا کرامت سمجھا جاتا تھا۔ آٹھ ماہ کے بعد ہنگامے کچھ فرو ہوئے تو میرے استاد محترم اور پھوپھی زاد بھائی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور چند علماء کراچی نے یہ ارادہ کیا کہ پاکستان کے لیے اسلامی دستور کا ایک خاکہ مرتب کر کے حکومت کے سامنے رکھا جائے تاکہ جس مقصد کے لیے پاکستان بنا ہے وہ جلد از جلد بروئے کار آ سکے۔

اس تجویز کے لیے منجملہ چند علماء کے احقر کو بھی ہندوستان سے کراچی آنے کی دعوت دی گئی۔ ۳۰ جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ یکم مئی ۱۹۴۸ء کو میری عمر میں عظیم انقلاب کا دن تھا جس میں وطن مالوف مرکز علوم دیوبند کو خیر باد کہہ کر صرف چھوٹے بچوں اور ان کی والدہ کو ساتھ لے کر پاکستان کا رخ کیا۔ والدہ محترمہ اور اکثر اولاد اور سب عزیزوں اور گھر بار کو چھوڑنے کا دل گداز منظر اور جس طرف جا رہا ہوں وہاں ایک غریب الوطن کی حیثیت سے وقت گزارنے کی مشکلات کے ساتھ ایک نئی اسلامی حکومت کا وجود اور اس میں دینی رجحانات کے بروئے کار آنے کی خوش کن امیدوں کے ملے جلے تصورات میں غلطاں و پیچاں، دلی اور چند مقامات پر اترتے ہوئے ۲۶ جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ ۶ مئی ۱۹۴۸ء کو اللہ تعالیٰ نے حدود پاکستان میں پہنچا دیا اور کراچی غیر اختیاری طور پر وطن بن گیا یہاں آئے ہوئے اس وقت پندرہ سال پورے ہو کر تین ماہ زیادہ ہو رہے ہیں۔ اس پندرہ سال میں کیا کیا اور کیا دیکھا۔ اس کی سرگزشت بہت طویل ہے۔ یہ مقام اس کے لکھنے کا نہیں جن مقاصد کے لیے پاکستان محبوب ومطلوب تھا اور اس کے لیے سب کچھ قربان کیا تھا۔ حکومتوں کے انقلابات نے ان کی حیثیت ایک لذیذ خواب سے زیادہ باقی نہ چھوڑی

بلبل ہمہ تن خون شد و گل شد ہمہ تن چاک
اے وائے بہارے اگر این است بہارے

حکومت کے راستے سے کسی دینی انقلاب اور نمایاں اصلاح کی امیدیں خواب وخیال ہوتی جاتی ہیں، تاہم عام مسلمانوں میں دینی بیداری اور امور دین کا احساس بحمد اللہ ابھی تک سرمایہ زندگی بنا ہوا ہے۔ (مفتی محمد شفیع معارف القرآن: جلد ۱، صفحہ ۲۳)

**مفتی کفایت اللہ کو لاکھوں روپے اور عالی شان محل کی پیشکش:**

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ پر پچاس ہزار روپے قائد اعظم سے مانگنے کا الزام تراشنے والے ان اخبار نویس اور غیرت مند علماء دیوبند کے مزاج سے واقف نہیں ہیں، یہ حضرات

اگر انگریزی حکمرانوں سے مادی فوائد حاصل کرنا چاہتے تو ان کے بھی مربعے ہوتے جگہ جگہ کوٹھیاں اور عالی شان محلات ہوتے اور ساری زندگی قید وبند، جزیرہ مالٹا میں جلاوطنی اور دارورسن کے مراحل کی ہولناکیوں میں نہ گزارتے۔ ہمارے ان اسلاف کی مادی منفعت سے بے نیازی کی جھلک برادر محترم شریف فاروق ایڈیٹر روزنامہ جہاد پشاور نے اپنے مضمون مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت لاہور میں پیش کی ہے۔

جناب شریف فاروق مسلم لیگی نظریات کے زبردست حامی اور اس کے حلقہ مندرجہ ذیل ہیں، ان کی یہ تحریر متلاشیان حقائق کے لئے مشعل راہ ہے۔ وہ رقم طراز ہیں کہ

یہ تو بات ہوئی قائد اعظم کی اس دور کی مسلم لیگ کے مقابلے پر جمعیت العلمائے ہند کے ایثار پیشہ رہنماؤں سے کسی کو کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ اسکے پہلے صدر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ کو جب 1930 کی دہائی میں یہ دیکھتے ہوئے کہ انکے مالی حالات خراب ہیں پنڈت موتی لال نہرو نے مفتی صاحب کو پیغام بھجوایا کہ

مفتی صاحب! مالی پریشانی کی وجہ سے انگریز کے خلاف اپنی تحریک کو ختم نہ کیجئے گا دو لاکھ روپے کی کوئی بات نہیں میں آپ کو بھجوائے دیتا ہوں، ایثار پیشہ مفتی صاحب کو ان کے سیکرٹری جنرل مولانا احمد سعید دہلوی نے مشورہ دیا کہ

مفتی صاحب اس پیشکش کو قبول کر لیجئے کانگریس کا فنڈ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سب کا فراہم کردہ فنڈ ہے یہ حاصل کر لیجئے لیکن مفتی صاحب نے فرمایا ہم نے انگریز کیخلاف تحریک موتی لال نہرو یا کانگریس کے ایماء پر شروع نہیں کر رکھی۔

یہ کہتے ہوئے پنڈت نہرو کی یہ پیشکش ٹھکرا دی، اسی طرح ایک بار وائسرائے نے اپنی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر سر فضل حسین وزیر اعلیٰ متحدہ پنجاب کے ذریعہ مفتی کفایت اللہ کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم آپ کو فلاں نواب صاحب کا بہت بڑا محل دے دیتے ہیں اسکے ساتھ کافی زیادہ زمین بھی ہے۔ مالی امداد بھی کی جائیگی۔

شرط صرف ایک ہے کہ آپ سیاست میں حصہ لینا چھوڑ دیں اور صرف دینی تعلیم کا راستہ اپنا لیں۔ مفتی صاحب نے سر فضل حسین کو جواب دیا ''ہم دینی تعلیم فی اللہ دینی فریضہ قرار دیتے ہوئے دے رہے ہیں، ہمارے لیے یہی بوریا نشینی کافی ہے ہمیں کسی ایسے محل کی ضرورت نہیں'' ایثار و قربانی کی علمائے سلف کی ایسی کئی مثالیں موجود ہیں لیکن اسے ہماری بدقسمتی ہی قرار دیا جائے کہ ہمارے ان علماء حضرات کے جانشین سرکاری مناصب پر فائز ہو کر کیا گل کھلا رہے ہیں؟

ہمارے ہاں کردار کے دیوالیہ پن نے اس قوم کو ایک فروشتنی مال بنا کر رکھ دیا ہے، جے

---

اصولی، عہد شکنی، قومی منصوبوں کی فروخت، رشوت اور ہوس زر نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔ (روزنامہ نوائے وقت 14 مارچ 2009ء)

**بھارت میں علمائے دیوبند کے علاوہ رہنما کون؟**

اس سلسلے کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ پاکستان کے چند قلم کار اپنے قلمی تیروں سے ہندوستان میں آباد علماء دیوبند کی مرنجاں مرنج عظیم شخصیات کو نشانہ تنقید و تنقیص بنانے میں شب و روز ایک کررہے ہیں اور کسی نہ کسی بہانے ان بزرگوں کی مخالفت جزوِ زندگی بنالیا ہے۔ گویا وہ کسی کے اشارہ ابرو پر مامور ہیں۔ سوال یہ ہے کیا علماء دیوبند میں سے کسی نے بھی قیام پاکستان کے بعد پاکستانی رہنماؤں یا علماء کرام کے خلاف بھی اس طرح کی زبان استعمال کی ہے؟ جس نوعیت کی زبان طعن پاکستان کے یہ چند قلم کار استعمال کررہے ہیں۔ اگر ان شخصیات نے بھی یہی طرز عمل اختیار کیا ہوتا تو شاید کسی کو حرف شکایت زبان پر لانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

مزید افسوس اس بات پر ہے کہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کی رہنمائی اور مشکلات دور کرنے کے سلسلے میں علماء دیوبند اور ان سے متعلق شخصیات ہی خدمات انجام دے رہی ہیں، ان کے مقابلے میں دوسری کونسی شخصیات ہیں جنہیں متبادل قیادت کے طور پر پیش جاسکتا ہے کہ ان سے تو وہ بہتر طور پر ذمہ داریاں پوری کررہی ہیں، جب کہ قیام پاکستان کے بعد یکے بعد دیگرے تمام رہنما ہندوستانی مسلمانوں کو بے یار و مددگار اور بے بسی کے عالم میں چھوڑ کر خود تو پاکستان آگئے تھے اور یہاں پر اپنے لیے گوشۂ عافیت تلاش کرلیا تھا۔ ہندوستانی مسلمانوں کا اللہ کی ذات کے سوا تحریک قیام پاکستان کا اور کون رہنما وہاں پر سرگرم عمل رہا جس نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرکے تاریخ میں ایک مثال قائم کی ہو۔ ایسے حالات میں تو پاکستانی قلم کاروں اور سیاسی رہنماؤں کو ان علماء دیوبند اور ان کے رفقاء کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جنہوں نے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر ثابت قدمی کے ساتھ سرزمین ہند میں اسلام کا جھنڈا بلند کررکھا ہے اور مسلمانانِ ہند کے مفادات کے تحفظ کے سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کررہے ہیں ان کے خلاف زبان طعن دراز کرنا درحقیقت کروڑوں مسلمانانِ ہند سے دشمنی اور بے وفائی ہے۔

یہ درست کہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے مرحلے میں ایک بڑا پاکستان یعنی (یوپی) اور دیگر مسلم اکثریت کا علاقہ ہندوستان میں رہ گیا تھا وہاں کے مسلمانوں پر ان ستر (۷۰) برسوں میں کیا گزری اور وہ کن کن صبر آزما مرحلوں، کٹھن آزمائشوں سے گزر رہے ہیں، اس کی منظر کشی بھارت کے ہی ایک نامور شاعر طارق بدایونی نے اس شعر میں کی ہے۔

یہ شہر شب ہے یہاں زندگی گزارنے کو<br>
تمام عمر چراغوں کی طرح جلنا ہے

--------------------------------------------------------------------------------

# انوار انوری

احوال و واقعات خاتم المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

قسط نمبر: ۲۷

شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد انوری

## مکتوب حبشہ (افریقہ)

از عدیس آبابا حبشہ (ایتھوپیا)

بنام مولانا محمد انوری صاحب!

**یارب صل وسلم دائما ابدا ، علی حبیبک خیر خلق کلهم**

بزرگوارم جناب حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پروردگار ذوالجلال سے قوی امید ہے کہ جناب کی طبیعت باعافیت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ بزرگوں کی شفقت کا سایہ تادیر ہم پر سلامت رکھے۔ آمین! اتمام وقت آپ کی صحت عاجلہ مستمرہ کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ ہم آپ کی دعاء سے روانہ ہوکر کچھ دن رائے ونڈ اور کچھ دن میوات میں گذار کر خیریت کراچی پہنچے۔ قانون اور ضابطہ کی تمام مشکلات درپیش تھیں۔ جس کو سورت یٰسین کا روزانہ ختم اور صلوٰۃ الحاجۃ سے حل کرالیا گیا۔ جس کی تفصیل ان شاء اللہ خود حاضر خدمت ہوکر عرض کریں گے۔

بہر حال پاسپورٹ، کرنسی، سعودی عرب کا ویزہ، پچاس سال عمر کا مسئلہ اور سفینہ حجاج میں سیٹوں کا ملنا۔ پھر ایک آدمی کا مسئلہ نہیں۔ بلکہ عشرہ (دس) افراد کا مسئلہ اللہ پاک کے نام کی برکت سے نہ ہونے والے کام بھی ہوگئے۔ سفینۂ حجاج پر سوار ہوکر حاجیوں میں خوب محنت کرتے ہوئے دو اوقات اور جماعتوں تعلیموں اور گشتوں اور ذکر اذکار کی پابندی تہجد کا اہتمام اللہ کی توفیق سے کرتے ہوئے بخیریت جدہ شریف پہنچے۔ جدہ میں مولانا سعید خان صاحب حضرت فریدی صاحب اور بھائی سردار صاحب و دیگر حضرات موجود تھے۔ مشورہ سے طے پایا کہ چونکہ حاجی حضرات کا حکومت نے پہلے مدینہ منورہ جانا طے کیا ہے۔ اس لئے ان حاجیوں ہی میں کام کرتے ہوئے پہلے مدینہ پاک میں روضہ مبارک پر

حاضری کی سعادت حاصل کی جائے۔ بذریعہ بس مدینۃ الرسول کو روانگی ہوئی۔ نماز عصر مسجد نبوی میں ادا کی گئی اس کے بعد شوق اور جذبے کے ساتھ انتہائی شرمندگی اور ندامت کی سی کیفیت میں ڈوبے ہوئے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے۔ بارگاہ رسالت میں ہدیہ صلوۃ والسلام پیش کیا گیا۔ امسال حاضری چونکہ بہت زیادہ تھی اس لئے مسجد نبوی کے باہر تمام راستے۔ محلے اور گلیوں تک نمازیوں سے بھر جاتے تھے۔ مدینہ پاک میں حضرت مولانا عبدالغفور صاحب اور دیگر بزرگوں اور علماء کرام کی خدمت میں بھی دعاؤں کے لئے حاضری ہوئی۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب بھی ہندوستان سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان کی خدمت میں بھی دعا کے لئے حاضر ہوئے۔ ان ایام میں فریقہ، انگلینڈ ترکی، مراکش، امریکہ، افغانستان، ہندوستان، ایران، سوڈان، شام، مصر، حبشہ، فرانس، زمبابوے، انڈونیشیا، ملائشیا، جاپان، الجزائر، مالی لینڈ دیگر کئی ملکوں سے فریضہ حج کی ادائیگی کیلئے زائرین آئے ہوئے تھے۔ مسجد نبوی میں صبح ناشتہ کے بعد روزانہ ایک یا دو ملکوں کے اجتماع ہوتے۔ اور ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت والی محنت کی طرف متوجہ کیا جاتا۔ الحمدللہ اجتماعات بہت کامیاب ہوئے۔ بہت سارے ملکوں کے لوگوں نے اس مبارک کام سے بہت ہی کافی تعارف بتایا۔ مختلف ملکوں کے یعنی حبشہ، سوڈان، الجزائر اور نائجیریا اور ملک کے علماء اور عوام میں سے بڑے لوگوں کو زیادہ قریب پایا۔ بہت متاثر ہوئے۔ اپنے اپنے ملک میں کام کرنے اور جماعتوں کی نصرت کے ارادے کئے۔ ایک جماعت انگلینڈ سے بائیس نفری کئی ویگن کاروں کے ذریعہ روڈ پہنچی۔ اور دیگر تبلیغی کام کرنے والے بذریعہ ہوائی جہاز آئے۔ اس بائیس آدمیوں کی جماعت نے واپسی پر درمیان میں پڑنے والے ملکوں میں کام کرتے ہوئے جانے کا ارادہ فرمایا۔ الحمدللہ عجیب فضا بنی ہوئی تھی۔ حضرت مولانا عبیداللہ صاحب انڈیا سے بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ جناب گرامی قدر کا ہدیہ صلوۃ والسلام بارگاہ نبوت میں بعد ادب پیش کر دیا گیا۔ اگر جناب ارشاد فرمائیں تو واپسی پر دوبارہ حاضری نصیب ہونے پر جناب کی طرف سے ہدیہ سلام پیش خدمت رسالت مآب کیا جائے۔ ہماری جماعت چھ نفری کی حضرت مولانا خلیل احمد کی معیت میں چل رہی ہے۔ جو کہ پہلے ایک سال حبشہ جا چکے ہیں۔ بھائی سردار احمد صاحب لائلپوری سے ملاقات ہوئی۔ بخیریت ہیں اور آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ قربانی اس یوم کے بعد مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو واپسی ہوئی۔ حج کے ایام قریب

--------------------------------------------------------------------------------

تھے۔ بیت اللہ پر حاضری ہوئی۔ انوار و برکات کی بارش ہو رہی تھی۔ حج کا سفر بہت اچھا گزرا۔ دعا فرماویں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین!

بذریعہ بحری جہاز مورخہ ۲۶۔ ۳۔ ۱۹ کو ہماری جماعت جدہ سے حبشہ روانہ ہوئی۔ دو دن ایک رات کے بعد ہم حبشہ کی بندرگاہ مسوا پر اترے۔ وہاں سے بذریعہ ریل کار بہت اونچے اونچے پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے حبشہ کے بہت بڑے خوبصورت شہر سمرا پہنچے۔ وہاں پر جامع عبدالقادر میں کچھ یوم قیام کیا۔ وہاں سے پھر قریب محلوں کی مسجدوں میں غرباء میں کام شروع کیا۔ بڑی محبت سے دین اور موت کے بعد آنے والی زندگی کے بابت خوب جم کر سنتے ہیں۔ صبح کی نماز کے بعد اشراق تک اور مغرب کی نماز کے بعد عشاء تک اجتماعی ذکر بالجہر کرتے ہیں۔ تقریباً ہر مسجد میں یہی معمول ہے۔ غربت اور سادگی بہت زیادہ ہے۔ کچھ دن یہاں گذار کر اب ہماری جماعت بذریعہ بس سفر کرتی ہوئی قریہ قریہ آخرت کی آواز اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی زندگی کی طرف متوجہ کرتی ہوئی اوس آبا پہنچی۔ یہ بھی بہت بڑا مرکزی شہر ہے۔ راستہ میں حضرت نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک بھی ایک بستی میں آئی۔ مزار بنا ہوا ہے۔ تقریباً چودہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبور بھی یہاں بیان کی جاتی ہیں۔ بہت سکون تھا۔ فاتحہ پڑھی گئی۔ اور دعائیں مانگی گئیں۔

شاہ حبشہ حضرت نجاشی رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔ سب سے پہلے ہجرت صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی اسی ملک میں ہوئی اور حضرت امی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں پڑھا گیا۔ اور خوب ہدیے اور خوشبو وغیرہ دے کر اور حق مہر خود ادا کر کے امی صاحبہ کی رخصتی بھی یہیں سے ہوئی۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بھی اسی ملک سے نسبت ہے۔ آپ کی دعاؤں کی برکت سے ساتھی ذکر خوب پابندی سے کرتے ہیں۔ اور تلاوت قرآن پاک بھی خوب ہوتی ہے۔ راتوں کو اٹھنے کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ ساتھیوں کا آپس میں خوب جوڑ ہے۔ موسم سرد و خشک ہے۔ رات کو لحاف کے اندر سوتے ہیں۔ پانی کی قلت ہے۔ علاقہ خوب سرسبز ہے۔ سوائے پہاڑوں کے میدانی علاقہ بہت ہی کم ہے۔ لکڑی بہت زیادہ ہے مٹی بہت کم ہے۔ کئی جگہ تو مٹی کم ہونے کی وجہ سے جانوروں کے گوبر سے مکان باہر سے لیپے ہوئے ہیں۔ سبزیوں میں ٹماٹر، آلو، سبز مرچ ہے۔ بس انڈے ایک ڈالر کے بیس پچیس ملتے ہیں۔ اور ڈالر

پونے دو ریال سعودی کا ہے۔ مویشی کثرت سے ہیں۔ دنبہ یا بکرا چھ سات سیر وزن کا پانچ چھ روپے میں مل جاتا ہے۔ بڑے شہروں میں کاروبار تو یمن کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے یا ہندوستان کے ہندوؤں کے ہاتھ میں۔

الحمدللہ یہاں کے علماء اور مشائخ کی خدمت میں بھی حاضری ہو رہی ہے۔ مل کر بہت خوش ہوتے اور بہت شفقت فرماتے ہیں۔ ان تمام شہروں میں شہر مرا بہت خوبصورت شہر ہے۔ سنا ہے کہ یہاں ملکہ بلقیس کا پایۂ تخت تھا۔ جس کی ہدہد نے خبر دی تھی۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ ایک مہینہ کے قریب واپسی تک ہمارا وقت اور لگے گا اس کے بعد واپسی کا معظم ان شاء اللہ تعالیٰ ہوگی۔ کچھ روز حرمین شریفین میں لگا کر براستہ ریاض کویت سے جہاز پر سوار ہوکر ان شاء اللہ کراچی پہنچیں گے۔ آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ آپ اپنی خصوصی دعاؤں میں ہم نا اہلوں کو یاد رکھیں۔ اللہ پاک ہمارے اللہ کے راستے میں نکلنے کو قبول فرما کر ہماری اصلاح اور تمام عالم کے لئے ہدایت اور رشد کے فیصلے فرما دیں۔ آمین!

مکرر عرض ہے کہ مراسلہ نگار کو شاید یاد نہیں رہا یہ بات غلام نبی صاحب نے جو پہلے حبشہ ہو آئے ہیں کئی بار ذکر کی۔ کہ قالا مرا شہر میں مولانا محمد صالح کا مزار ہے۔ ایک وہاں کے مولوی صاحب نے مزار کی زیارت کرائی ہے۔ ذکر کیا کہ مولانا محمد صالح دس سال دارالعلوم دیوبند پڑھتے رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حدیث پڑھی اور کئی سال حضرت کی خدمت میں رہ کر دین میں سمجھ حاصل کی۔ غلام نبی صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ مولانا محمد صالح کے وارثوں کے پاس وہ سندات بھی ہیں۔ جو حضرت شاہ صاحب نے ان کو اپنے ہاتھ مبارک سے لکھ کر دی تھیں۔ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کی لکھی ہوئی سند جو حضرت شاہ صاحب کو دی تھی وہ بھی ان کے پاس تھی (یعنی مولانا محمد صالح کے پاس) اور حضرت مولانا محمد صالح صاحب نے جو پہلے شافعی المذہب تھے۔ حنفی المذہب ہو گئے۔ پھر وہاں سے واپس آ کر اپنے ملک میں اس مذہب کی تبلیغ کی۔ کوئی تیس میل کا علاقہ بقول محمد نبی صاحب ایسا ہے جہاں حنفی المذہب لوگ آباد ہیں۔ وہاں اس مذہب کے مدرسے بھی ہیں۔ مولانا محمد صالح صاحب نے یہ بھی کیا کہ علماء دیوبند کا لباس اور کھانا یہ بھی وہاں رائج کیا۔ وہ لوگ دیوبند کے ساتھ بے حد عقیدت رکھتے ہیں۔ کتابیں حنفی المذہب کی پڑھائی جاتی ہیں۔ اب وہاں ایسے مدارس موجود ہیں۔ مولانا محمد صالح

صاحب کا تو وصال ہو گیا لیکن ان کے شاگردوں اور وارثین کی کوشش سے مدرسہ اب بھی جاری ہیں۔ مولانا محمد صالحؒ صاحب کے وصال کو بیس پچیس سال ہو چکے۔

حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث شریف میں مثال ما انا قلت کی جو مختصر المعانی اور مطول میں آیا ہے۔ ما انا حملتکم ہے۔ بخاری ص۹۹۲ ج ۲۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رھط من الاشعریین استحملہ الحدیث۔ من تعوذ باللہ من درک الشقاء وسوء القضاء وقولہ قل اعوذ برب الفلق من شر ما خلق۔ معلوم ہوا کہ بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی بنی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا اس کا کیا مطلب ہوا۔ بخاری ص ۹۷۹ جلد۲۔

قادیانی نے بہاولپور کے مقدمے میں اعتراض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کو کیوں نہ قتل کرا دیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فوراً جواب دیا کہ جج صاحب لکھیے۔ کہ ابن صیاد نابالغ تھا۔ نابالغ کو شریعت میں قتل نہیں کیا جاتا۔ یا یہ دن تھے یہود کے ساتھ معاہدے کے۔ چنانچہ آپ نے بخاری شریف کی عبارت پڑھ کر سنائی۔ مولانا احمد علی صاحب مرحوم حاشیہ نمبر۱۲ میں ص ۹۷۹ جلد۲ پر لکھتے ہیں

لانہ کان غیر بالغ۔

یروی فیہ وجوہ بفتح المو حدۃ والراء و سکون التحتانیہ بینھما و بالمھملۃ مقصورا (کرمانی) بخاری ص۹۹۲ ج ۲ حاشیہ

مولانا محفوظ علی صاحب سناتے تھے حضرت شاہ صاحبؒ کے وصال پر جب مئی ۱۹۳۳ء میں میں جب دیوبند حاضر ہوا تو مولانا محفوظ علی صاحب مرحوم سناتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے بلایا کہ اپنی بہن سے تو کہہ دے کہ اپنی بچی کے پاؤں سے پازیبیں نکال دے۔ میں اس کو برداشت نہیں کرسکتا۔ سنایا کہ وہ بچی (حضرت شاہ صاحب کی بچی چھ سال کی تھی) میں نے عرض کیا کہ یہ چھ سال کی تو بچی ہے۔ اور پازیبوں میں باجا گھونگھرو نہیں ہے۔ ابوداؤد جلد ثانی ص ۲۲۹ مطبوعہ مجتبائی دہلی میں ہے۔ قال علی بن

--------------------------------------------

سہل بن الزبیر اخبرہ ان مولاۃ لھم ذھبت بابن الزبیر الی عمر بن الخطاب فی رجلھا اجراس فقطعھا عمر ثم قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مع کل جرس شیطانا ۔حضرت شاہ صاحب کا اتقاء دیکھئے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تو وہ پازیبیں نکال تھیں جس میں باجا تھا، مگر حضرت شاہ صاحب بغیر باجے کی پازیبوں سے بھی بچتے رہے۔ایک دفعہ فرمایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ روزے نہیں کاٹے جائیں گے یعنی روزوں کی قرقی نہ ہوگی یہ بات غلط ہے۔مسلم شریف میں ایک حدیث آئی ہے۔اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ روزے بھی قرق ہوں گے۔وہ حدیث یہ ہے۔

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اتدرون ما المفلس قالوا فینا من لا درھم لہ و لا متاع فقال ان المفلس من امتی من یاتی یوم القیامۃ بصلاۃ وصیام و زکوٰۃ و یاتی قد شتم ھذا وقذف ھذا و اکل مال ھذا وسفک دم ھذا و ضرب ھذا فیعطی ھذا من حسناتہ و ھذا من حسناتہ فان فنیت حسناتہ قبل ان یقضی علیہ اخذ من خطایاھم فطرحت علیہ ثم طرح فی النار (مسلم شریف جلد ثانی ص ۳۲۰ مطبوعہ دھلی)

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کی طرح روزے بھی کاٹے جائیں گے۔جس نے یہ مطلب لیا ہے کہ روزے نہیں کاٹے جائیں گے۔وہ غلط سمجھا۔حضرت شاہ صاحب کی ایک اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی بڑی عمدہ تقریر (صیام کے متعلق) تھی۔جو کسی زمانے میں "مہاجر" میں چھپی تھی۔فیض الباری میں بھی اس کی تعریف کی گئی ہے۔ہمارے پاس یہ تقریر محفوظ تھی۔مگر افسوس کہ ۱۹۴۷ء کے خونی ہنگامے میں وہ رائے کوٹ ہی رہ گئی۔فرمایا کہ ایک مرزائی قادیانی مجھے کہنے لگا کہ شاہ صاحب ہمارا بھی اس قرآن پر ایمان ہے۔جس میں یہ لکھا ہے ۔:"ومن اظلم ممن منع مساجد اللّٰہ ان یذکر فیہ اسمہ "میں نے اس کے جواب میں فورا کہا کہ ہمارا بھی اسی قرآن پر ایمان ہے جس میں یہ ہے "ومن اظلم ممن افتراء علی اللّٰہ کذبا اوقال اوحی الی ولم یوح الیہ شیء " یہ سن کر وہ ایسا ساکت ہوا کہ کوئی جواب نہ دے سکا۔

ایک دفعہ بیان فرمایا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیح ابن مریم کی حقیقت معلوم نہیں تھی لہذا یہ حقیقت مجھ پر کھلی۔پس میں مسیح ابن مریم ہوں۔میں نے کہا کہ دجال کی حقیقت بھی مرزا صاحب پر کھلی لہذا وہ دجال ہیں۔☆☆

# مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

محمد ابوبکر صدیق (دارالعلوم مدنیہ بہاولپور)

(۱)...... مدینۃ الرسول ﷺ کا واقعہ ہے...... دن کا وقت تھا...... کاروبار عروج پہ تھا...... بازاروں میں چہل پہل معمول کی تھی...... کاروبار میں مشغول تاجر اور خریدار...... علم دین سیکھنے سکھانے میں مصروف صحابہؓ...... خادمین اسلام اور اہل حکومت اپنی اپنی ذمہ داریاں سر انجام دینے میں مصروف تھے۔ اہل مدینہ کسی بھی قسم کی آفت ناگہانی سے بے خبر تھے۔ اچانک ایک پہاڑ کی کھوہ سے آگ نکل کر شہر کے گھروں کی طرف بڑھنے لگی۔ خلیفہ اسلام حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو ایک صحابیؓ (حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ یا حضرت تمیم داریؓ) کو بلایا اور فرمایا کہ اس آگ کو واپس دھکیل دو۔ صحابیؓ اٹھے اور چادر سے آگ کو دھکیلنا شروع کیا، اور غار میں دھکیل کر اوپر سے پتھر رکھ دیا۔ وہ آگ ایسی بند ہوئی کہ آج تک نکلنے کا نام نہیں لیا۔ (خلفائے راشدین ص 178، از امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی)

(۲)...... حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں زلزلہ آیا، زمین ہلنے لگی، آپؓ نے زمین پر کوڑا مارا اور فرمایا کہ...... اے زمین! کیا عمر نے تیرے اوپر انصاف نہیں کیا؟ پھر ہلتی کیوں ہے؟ سامعین نے سنا اور ناظرین نے دیکھا کہ زمین کی حرکت بند ہوگئی۔ (خلفائے راشدین ص 176)

(۳)...... حضور علیہ الصلوۃ والتسلیمات ایک مرتبہ خلفائے راشدین میں سے تین (ثلاثہ اولیٰ) کے ساتھ احد پہاڑ پر تھے کہ پہاڑ ہلنے لگا، تو آپؐ نے فرمایا کہ اے احد! رک جا تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ پہاڑ کی حرکت بند ہوگئی۔ (بخاری 1/520، کتاب المناقب)

(۴)...... خال المسلمین حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں لشکر اسلام کو جنگل میں چھاؤنی بنانے کی ضرورت پڑ گئی، مجاہدین سوچنے لگے کہ جنگل کے جانور کہیں ہمیں تنگ نہ کریں......؟ وہ سوچ ہی

رہے تھے کہ اسی اثنا میں ایک تاجی حضرت عقبہ بن نافع اٹھے اور جنگل میں اعلان کر دیا۔ اے جنگل کے درندو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ جنگل میں رہیں گے۔ تم جنگل فوراً خالی کر دو۔ آپ کی آواز جنگل میں گونج رہی تھی اور شیر، چیتے جیسے خطرناک درندوں سمیت سارے جانور اپنے بچے اٹھائے گھروں سے نکل رہے تھے۔ یہاں تک کہ تمام جنگل خالی ہو گیا۔ (طبری 100/4)

(۵)......صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں اسلامی لشکر کفار کے تعاقب میں رواں دواں تھا کہ ایک مقام پر کفار نے دریا عبور کر کے اس کے پل توڑ دیئے اور کشتیاں ساتھ لے گئے۔ حضرت سعد نے یہ دیکھا تو آگے بڑھے۔ اللہ سے دعا کی اور لشکر کو گھوڑوں سمیت دریا میں اتر جانے کا حکم دے دیا۔ آسمان دنیا نے وہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپاہیوں نے گھوڑوں پر سوار ہو کر دریا عبور کیا اور کفار کے پرخچے اڑا دیئے۔

(اشاعت اسلام ص172......طبری 831/2......ابن کثیر 145/7)

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

(۶)......ایک بزرگ (غالباً سفیان ثوری) اپنے رفقاء و مصاحبین کے ساتھ ایک پہاڑ پر تشریف فرما تھے۔ اچانک گویا ہوئے۔ اور فرمانے لگے کہ "اللہ کے بعض بندے دنیا میں ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ پہاڑ کو کہیں" کہ اپنی جگہ سے ہٹ جا!" یہ بات زبان سے نکلی ہی تھی کہ پہاڑ اپنی جگہ سے سرکنا شروع ہو گیا۔ آپ نے پہاڑ پر پاؤں مار کر فرمایا کہ میں نے تجھے تو حکم نہیں دیا۔ پہاڑ کی گردش رک گئی۔ یہ اللہ کے محبوب بندوں کے واقعات ہیں......"الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" اللہ کے ولی دوست اور محبوب......آخرت میں خوف تو سرے سے ہوگا ہی نہیں۔ دنیا میں بھی پریشانی اور خوف نہیں ہوتا۔ اللہ اپنے ولی کی زبان سے نکلی ہوئی بات کی لاج رکھ لیتے ہیں۔ کبھی محب سے پوچھو کہ "محبوب کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی کیا اہمیت ہے"؟ محبوبان مجازی کو ان کے شخص سونے اور جواہرات میں تولنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں تو پھر ان کی کہی ہوئی بات کو آپ زر سے کیوں نہ لکھیں گے......؟؟؟ عشق مجازی کی بوالہوسیوں کے نتیجہ میں تیشۂ فرہاد سے دودھ کی نہریں بہائی جا سکتی ہیں تو اس

--------------------------------------------

کے مقابلہ میں محبوب کی بات پر جان کے نذرانے کی کیا حیثیت ہے؟ محبوبانِ مجازی کی قدر و منزلت ان کے محبین ہی جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر قدر کرنے والے ہیں۔ کیا وہ اپنے محبوب کے الفاظ کی لاج نہیں رکھیں گے......؟؟؟ اسی کے نتیجہ میں وہ آگ جس کا جلنے جلانے کے علاوہ کام نہیں ایک صحابیؓ کے حکم پر سر جھکا لیتی ہے۔ اسی کے نتیجہ میں تاحد نظر پھیلی ہوئی زمین خلیفۃ اللہ فی الارض کے آگے ہاتھ جوڑتی ہے۔ اسی کے نتیجہ میں ایک تابعی کے حکم پر جنگل کے تمام جانور سرنگوں ہو کر تعمیل کرتے ہیں۔ اسی کے نتیجہ میں آسمان سے باتیں کرتا بلند و بالا پہاڑ آپ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا حکم مانتے ہوئے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ اسی کے نتیجہ میں ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا مجاہدین اسلام کیلئے محفوظ راستہ بن جاتا ہے۔ اسی کے نتیجہ میں تنکوں کی طرح گرتا ہوا پہاڑ سرک کر اپنی جگہ چھوڑ دیتا ہے۔ اسی تعلق کی بناء پر بوالعجبیوں کی لازوال داستانیں بنتی ہیں۔

میرا کمال عشق بس اتنا ہے اے جگر
وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

اس قسم کے بے شمار واقعات تاریخ کے اوراق میں بکھرے پڑے ہیں۔ جب میری نظروں سے مختلف واقعات گزرے میں جہانِ تخیل میں کھو گیا۔ میں سوچنے لگا کہ وہ کون سا سبب ہے جس کی بنیاد پر مافوق الفطرت کہانیاں وجود میں آتی ہیں......؟ آخر وہ کون سے رموز ہیں جن کی بنیاد پر بوالعجبیوں کی لازوال داستانیں ملتی ہیں؟ میں نے سوچا...... تلاش کیا...... کتابیں ٹٹولیں اوراق گردانی کی، سمجھ نہ آیا، مجبوراً ایک مردِ قلندر (استاذ محترم حضرت مولانا سید اصغر علی شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ) کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض گوش گزار کی تو انہوں نے سر جھکا لیا پھر قدرے توقف کے بعد سر اٹھایا اور کھنکھارتے ہوئے شفقت بھرے لہجے میں آہستہ آہستہ گویا ہوئے...... فرمانے لگے "بنیاد تقویٰ ہے" جن لوگوں نے دل میں تقویٰ پیدا کیا۔ اور تقویٰ کا لباس پہنا، یعنی ظاہر و باطن میں تقویٰ اختیار کیا، ان کے بارے میں اللہ نے فرمایا!

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

"تقویٰ کی مشقت جنہوں نے اٹھائی
جہاں میں ملی آخر ان کو بڑائی
کسی نے بغیر اس کے ہرگز نہ پائی
فضیلت نہ عزت نہ فرمانروائی

میں سوچنے لگا کہ تقویٰ چار حروف پر مشتمل سادہ اور مختصر سا لفظ ہے۔ لیکن اسے اختیار کرنے اور حاصل کرنے میں طرح طرح کی مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ نجانے کتنے جاں گسل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یکایک ذہن میں ایک تصور ابھرتا ہے..... ابومسلم خولانی" کو آگ میں ڈالا جا رہا ہے۔ دل دھک دھک کرنے لگتا ہے۔ لیکن یہ کیا.....؟ آگ ان کو جلاتی کیوں نہیں.....؟ پھر یہ منظر غائب ہو جاتا ہے۔ نئے نئے منظر ابھرنے شروع ہو جاتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام..... صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین..... بزرگان دین اور اسلاف امت کے واقعات ایک ایک کر کے تصور میں آتے ہیں۔ کہیں ابومسلم خولانی" جلتی آگ اور دہکتے انگاروں میں صحیح سلامت زندہ نظر آتے ہیں۔ کہیں یعقوب کی آنکھیں قمیص یوسف کے سبب روشن ہو رہی ہیں۔ کہیں صالح کی پکار پر پتھر سے اونٹنی پیدا ہو رہی ہے۔ کہیں عصا سے اژدھا اور ید بیضا کے معجزے ظاہر ہو رہے ہیں۔ کہیں لحن داؤدی کے سبب نظام کائنات میں توقف پیدا ہو رہا ہے۔ تو کہیں سمندر میں بارہ رستے بن رہے ہیں۔ سلیمان کو ہواؤں اور جنات میں حکمرانی مل رہی ہے۔ کہیں شق قمر قرآن اور معراج جیسے بے مثل معجزے مل رہے ہیں۔ کہیں خلیفہ ثانی کی آواز لشکر ساریہ تک پہنچا کر ان کی حفاظت کا سبب بن رہی ہے۔ کہیں مکتوب عمرؓ سے خشک نیل ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔

ایک سے بڑھ کر ایک عجیب عجیب معجزے اور کراماتیں عطا کی جا رہی ہیں۔ یہ سب دیکھ کر میں سوچنے لگتا ہوں کہ اتنا بلند رتبہ تو پہلے لوگوں کا تھا کہ خداوند کائنات اپنی قدرت کے ظہور کیلئے ان کے ہاتھ سے خرق عادت واقعات بکثرت ظاہر فرما دیتے تھے۔ شاید یہ سلسلہ اب ختم ہو چکا ہو۔ لیکن اس بزم جہاں تاب میں سے عنایات نبوت کے پاک طینت بندوں کی کمی نہیں۔

چند ایک سے دنیا واقف ہے گمنام نجانے کتنے ہیں۔

زمانہ قریب کا واقعہ ہے فخر الاماثل حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ کے شاگرد رشید حضرت مولانا نواز شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ دیپالپوری (المتوفی ۱۳۲۹ھ) کا آخری وقت ہے۔ گھر نمازوں کا اہتمام حسب معمول جاری ہے۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ کرتے ہوئے آخری وقت میں گھر والوں کو نماز کی تاکید فرماتے ہیں۔ گویا " وامر اهلك بالصلوة واصطبر عليها لانسئلك رزقا" کا مصداق تھے۔ ساری زندگی اپنی اولاد کیلئے ہاتھ کی کمائی کو مرغوب سمجھا۔ کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا۔ وراثت میں ایک ایکڑ زمین ملی۔ پھر ہاتھ کی کمائی اور محنت سے چار کنال مزید خریدی جس کا نصف (دو کنال) مدرسہ کیلئے وقف کر دیا۔ احتیاط کا عالم یہ تھا کہ مدرسہ کی مالیات میں ذرا کمی نہیں آنے دی۔ رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور علماء وطلباء سے شدید محبت وصف خاص تھا۔

عجیب کرامت:

آخری ایام میں جب کمزوری زیادہ ہوگئی اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تو خود پیشاب کرنے کے قابل نہ رہے۔ ستر کی حفاظت اور پوشیدگی چونکہ ایک فطری عمل ہے۔ اس لیے انہیں یہ بات ناپسند ہوئی کہ کسی دوسرے کے سامنے ستر ظاہر ہو۔ تو انہوں نے دعا کی کہ یا اللہ! میرے ستر کو پوشیدہ رکھ، اور میں جو کھاؤں وہیں ہو فضلہ نہ بنے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ آخری اکیس دن معمول کی غذا استعمال کرنے کے باوجود پاخانے کی حاجت نہ ہوئی۔ اسی حالت میں وفات ہوئی۔

جب ایک دو دن پاخانے کی حاجت نہ ہوئی تو گھر والوں نے وجہ پوچھی۔ تو انہوں نے بتایا کہ میں نے اللہ سے دعا کی جو قبول ہوگئی ہے۔ گھر والوں کو یقین نہ آیا انہوں نے سمجھا کہ شاید قبض ہے۔ پیٹ کو چیک کیا گیا تو خلاف توقع بالکل نرم ثابت ہوا۔ احتیاطاً ڈاکٹر سے دوائی لی گئی۔ ڈاکٹر کے دعویٰ کے مطابق پہلی خوراک سے ہی قبض ٹوٹنا ضروری تھا۔ ورنہ دوسری اور آخری حد تیسری خوراک۔ مگر جب تیسری خوراک کے بعد بھی حاجت نہ ہوئی۔ نہ مدہ جاری رہی۔ پیٹ بھی حسب معمول نرم رہا تب گھر والوں کو یقین آیا۔ چنانچہ اکیس دن اسی حالت میں گزرے اور پھر ان کی وفات ہوئی۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لے اے ساقی

میرا یہ خیال کہ آج کل کے زمانہ میں قرون اولیٰ جیسے واقعات کی مثال ملنا مشکل ہے یہ واقعہ سن کر باطل ہو گیا۔ یہ بھی تقویٰ ہی کا نتیجہ ہے کہ جنت کی ایک نعمت دنیا ہی میں عطا کر دی گئی جو جنت کی بشارت ہے۔

# خواتین کے صفحات

## زیورات کے استعمال میں ادائیگی زکوٰۃ کے بغیر پہننے کی ممانعت

حضرت عمرو بن شعیب نقل کرتے ہیں ایک مرتبہ ایک عورت حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی جس کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے کنگن تھے حضورﷺ نے فرمایا: ''کیا تو نے ان کنگنوں کی زکوٰۃ دی ہے؟'' اس نے عرض کیا: ''نہیں'' (میں نے ان کی زکوٰۃ نہیں دی) حضورﷺ نے فرمایا: ''کیا تو پسند کرتی ہے کہ تجھے ان دو کنگنوں کے عوض میں قیامت کے دن آگ کے کنگن پہنائے جائیں؟ راوی کہتے ہیں: اس عورت نے اسی وقت وہ دونوں کنگن اتارے اور حضورﷺ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا: ''یہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔''

## بال لگوانے سے اجتناب کی وصیت:

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''نبی اکرمﷺ نے بال لگانے والی اور لگوانے والی (دونوں) پر لعنت فرمائی ہے''۔

## شرح حدیث:

شارح صحیح مسلم علامہ نووی فرماتے ہیں: ''اس حدیث مبارکہ میں بال لگوانے کی حرمت کا صریح بیان ہے، اور حضورﷺ نے بال لگانے اور لگوانے والی دونوں پر لعنت فرمائی ہے، یوں تو یہ حکم ظاہر اور مختار ہے، لیکن علماء کرام نے اس کی کچھ تفصیل بیان کی ہے فرماتے ہیں: اگر عورت نے کسی انسان کے بال لگوائے تو یہ سب کے نزدیک حرام ہے خواہ بال مرد کے ہوں یا عورت محرم کے ہوں خاوند کے ہوں یا کسی کے بھی ہوں کیونکہ احادیث میں عموم پایا جا رہا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کے بالوں میں تمام اجزاء سے انسانی کرامت کی بنیاد پر فائدہ اٹھانا حرام ہے، بلکہ اس کے بالوں، ناخنوں اور دوسرے اجزاء کو دفن کر دیا جائے گا۔ اور اگر وہ بال انسان کے علاوہ کسی اور چیز کے ہوں تو یہ دو حال

سے خالی نہ ہوں گے یا تو بال میت کے ہوں گے یا کسی ایسے جانور کے ہوں گے جس کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو اور اس کی زندگی میں اتارے جائیں تو یہ بھی حدیث کی وجہ سے حرام ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بال ناپاک ہیں لہٰذا بال لگا کر قصداً وعمداً نماز میں نجاست کا حامل ہونا لازم آئے گا۔ عورت خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ دونوں کا ایک ہی حکم ہے، اور غیر انسان کے پاک بال کوئی عورت لگاتی ہے تو یہ دو حال سے خالی نہیں، اگر عورت کا خاوند آقا نہ ہو تو جائز نہیں، اور اگر اس کا خاوند یا آقا ہو اس کے بارے میں اختلاف ہے، اور اس بارے میں مختلف اقوال ہیں:

اول...... احادیث کے ظاہر کی وجہ سے ایسے بالوں کا استعمال بھی جائز نہیں۔

دوم...... ایسے بال لگانا حرام نہیں۔

لیکن اس مسئلہ میں صحیح ترین اور راجح ترین قول یہ ہے کہ اگر اس عورت نے خاوند یا آقا کی اجازت سے ایسا کیا تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں، علماء فرماتے ہیں عورت کا چہرہ پر سرخی لگانا اور بالوں پر خضاب وغیرہ لگانا اور انگلیوں کو رنگنا وغیرہ اس کا خاوند یا آقا نہ ہو اور اگر ہو اور یہ اس کی اجازت کے بغیر ایسا کرے تو جائز نہیں، اور اگر اس کی اجازت سے ایسا کیا تو جائز ہے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں: ”علماء کا اس مسئلہ کے بارے میں اختلاف ہے، امام مالک اور طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور یہ قول اکثر فقہاء کا ہے کہ ”بال لگوانا ہر حال میں ممنوع ہے خواہ وہ کسی چیز کے بال ہی لگائے، روئی کے۔ بال گندھوائے یا کسی کپڑے کے ذریعہ ایسا کرے، اور انہوں نے حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا ہے جسے امام مسلم نے ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کو پر زور تنبیہ اور ممانعت فرمائی ہے کہ وہ اپنے سر پر کسی چیز کو گندھوائے۔“

لیث بن سعد فرماتے ہیں: ”ممانعت بال لگوانے کے ساتھ خاص ہے، اگر کوئی عورت روئی لگوائے یا کوئی کپڑا وغیرہ استعمال کرے تو جائز ہے۔ یہاں تک کہ بعض علماء تمام صورتوں کے جواز کے قائل ہیں۔ ایسا قول حضرت عائشہؓ سے مروی ہے لیکن یہ روایت صحیح سندوں سے ثابت نہیں، صحیح قول حضرت عائشہؓ کا بھی جمہور والا ہی ہے۔“

قاضی عیاض یہ بھی فرماتے ہیں: ”رنگدار ریشمی دھاگوں اور اس جیسی دوسری چیزیں جو بالوں کے مشابہ نہ ہوں ان کا باندھنا ممنوع ہے، کیونکہ یہ بال گندھوانے کے حکم میں نہیں اور نہ ہی بال

گندوانے سے حاصل ہونے کے مقصود میں شامل ہے، یہ تو محض حسن و جمال میں اضافہ کے لئے ہے۔" مذکورہ حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ بال گندوانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے کیونکہ ایسا کرنے والے پر لعنت کی گئی ہے، اور اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ حرام میں مدد کرنے والا گناہ میں شریک ہوتا ہے جیسے کسی نیکی کے کام میں معاونت کرنے والا ثواب میں حصہ دار ہوتا ہے"۔

ایک روایت میں آتا ہے: ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک بیٹی ہے جس کی نئی نئی شادی ہوئی ہے اس کو خسرہ لاحق ہوا جس کی وجہ سے اس کے بال گر گئے، کیا میں اس کو کسی دوسری عورت کے بال لگا دوں، حضور ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے بال لگانے والی اور لگوانے والی دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "ایک انصاری عورت نے اپنی بیٹی کی شادی کر دی، لیکن اس کے سر کے بال کسی بیماری کی وجہ سے گر گئے، وہ انصاری خاتون حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا ماجرا بیان کیا اور عرض کیا: "اس کا خاوند اس کا حکم دیتا ہے کہ میں اسے بال لگاؤں" حضور ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، اللہ تعالیٰ نے بال لگانے والیوں پر لعنت فرمائی ہے۔"

**شرح حدیث:**

امام طبرانی اپنی تفسیر میں (۱۰/۳۷۷) فرماتے ہیں: کسی عورت کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ وہ اللہ کی پیدا کردہ صورت و ہیئت کو مزید خوبصورتی کے حصول کے لئے کسی کمی یا زیادتی سے تبدیل کرے، نہ خاوند کے لئے وہ ایسا کر سکتی ہے نہ غیر خاوند کے لئے، لہٰذا جس عورت کی بھنویں ملی ہوئی ہوں اس وجہ سے وہ دونوں کے درمیان کشادگی کو ظاہر کرنے کے لئے ان کے درمیانی بال زائل کر دے یا بھنوؤں کا درمیانی حصہ ملا دے، اور جس عورت کا کوئی زائد دانت ہو وہ اس کو اکھیڑ دے یا لمبا دانت ہو وہ اس کو کاٹ ڈالے، یا داڑھی یا مونچھ ہو یا نچلے ہونٹ اور ٹھوڑی کے درمیان بال ہوں اور جس عورت کے بال چھوٹے یا معمولی ہوں، وہ ان کو لمبا کر ڈالے، یا کسی دوسری عورت کے بالوں کے ذریعہ ان کو بڑا کرے تو سارے افعال نہی میں داخل ہیں اور اللہ کی تخلیق کو تبدیل کرنے کے حکم میں ہیں۔"

لیکن اس حکم سے ان صورتوں کو مستثنیٰ کیا جائے گا جن میں نقصان یا تکلیف کے اندیشہ سے ایسا کیا جائے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جس عورت نے اپنے بالوں میں دوسری عورت کے بال داخل کئے تو درحقیقت اس نے جھوٹ اور جعل سازی کے طور پر انہیں داخل کیا۔"

شرح حدیث:

''یہ اس عورت کا حکم ہے جو اپنے بالوں میں دوسری عورت کے بال داخل کرے اور جو عورت اپنے سر پر وگ وغیرہ رکھے اس کا حکم کیا ہے؟ اور مطلقاً کسی مذہب کی تقلید کرتے ہوئے اس کی اجازت کا فتویٰ دینے والے کا حکم کیا ہے جو احادیث صحیحہ کی مخالفت کی پرواہ بھی نہیں کرتا''۔

## تین محبوب چیزیں

بنت عبد اللطیف

ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

**حبب الی من دنیا کم ثلث (۱) النساء (۲) والطیب (۳) وقرۃ عینی فی الصلوۃ**

جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں

**(۱) النظر الیک (۲) الجلوس بین یدیک (۳) وانفاق مالی علیک**

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے تین چیزیں محبوب ہیں۔

**(۱) الامر بالمعروف (۲) والنہی عن المنکر (۳) وقول الحق وان کان مرا**

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں۔

**(۱) اطعام الطعام (۲) وافشاء السلام (۳) والصلوۃ باللیل والناس نیام**

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں۔

**(۱) الضرب بالسیف (۲) واقراء الضیف (۳) والصوم بالصیف**

جبریل امین تشریف لائے فرمایا مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں۔

**(۱) تبلیغ الرسالہ (۲) واداء الامانۃ (۳) وحب المساکین**

اور فرمایا کہ حضرت باری تعالیٰ سلام ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں۔

**(۱) لسان ذاکر (۲) قلب شاکر (۳) وبدن علی البلاء صابر**

حضرت امام ابو حنیفہ کو روایت پہنچی تو فرمایا کہ مجھے تین چیزیں محبوب ہیں۔

**(۱) تحصیل العلم فی طول الیالی (۲) وترک التعاظم والتعانی (۳) وقلب من امور الدنیا خالی**

---

## ماخوذ تراشے:

اگر ہم اس بات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ واقعی یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ہم اپنے دین کو سیکھنے اور سمجھنے پر اتنا دھیان نہیں دیتے جتنا انگریزوں کی تہذیب کو سیکھنے پر دیتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے دین سے دور ہو جاتے ہیں اور اسکی خوبیاں ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں اور شیطان ہمارے سامنے انگریزوں کی تہذیب کو مزین کر کے دکھاتا ہے اور عموماً لوگ اس خیال کا شکار ہو جاتے ہیں کہ اسلام میں تو ہر چیز پر پابندی ہے اور یہ ایک سخت اور مشکل دین ہے، ہر قسم کی آزادی تو انگریزوں کے دین میں ہے اور اس کو اپنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صرف نام کے مسلمان رہ جاتے ہیں ہمیں چاہیے کہ اپنے دین کو سیکھیں اور اس کی خوبیوں کو پہچانیں اور اللہ کے مخلص اور شکر گزار بندے بن جائیں۔ اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

## ایک نصرانی کا کلمہ حکمت

بنت جمال درجہ عالیہ

علامہ سید رشید رضا مصری مرحوم لکھتے ہیں کہ طرابلس شام میں عیسائیوں کے ایک مقتدر رہنما سکندر کا تکلیس تھے وہ وہاں روس اور جرمنی دونوں کے قونصل کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ محقق حقانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت تعلیم حاصل کر رہا تھا اور اپنے والد کے ایک کام سے ان کے پاس گیا اس موقع پر دوران گفتگو انہوں نے اسلام اور عیسائیت کے تقابل کے سلسلے میں ایک ایسی بات کہی جو میں کبھی بھول نہیں سکتا۔ وہ کہنے لگے۔

اسلام کی خوبیاں پہاڑوں کی طرح عظیم پایہ بلند مرتبہ اور مستحکم ہیں لیکن تم لوگوں نے انہیں اس طرح دفن کر رکھا ہے کہ نہ وہ کسی کو نظر آتی ہیں نہ ان کا پتا چلتا ہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے پاس اپنے دین عیسائیت کی خوبیاں نہایت تھوڑی اور وہ بھی بہت مدھم ہیں لیکن ہم نے انہیں "مسیحیت کے فضائل" کے نام سے پھیلا پھیلا کر دنیا بھر دی ہے"۔

تاریخ کے جھروکوں سے

# سلطان محمود غزنوی

انتخاب: ام محمد

سلطان محمود کو مشہور بزرگ شیخ ابو الحسن خرقانی کی زیارت کا بڑا اشتیاق تھا، چنانچہ شیخ کی زیارت کے لئے خرقان روانہ ہوا، وہاں پہنچ کر شیخ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ "میں آپ سے ملنے کے لئے غزنی سے خرقان آیا ہوں اس لئے مروت و اخلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ یہاں قدم رنجہ فرما کر شرف ملاقات بخشیں" اور ساتھ ہی قاصد کو یہ سمجھا دیا کہ اگر شیخ خانقاہ سے باہر آنا قبول نہ کریں تو آیت یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم شیخ کو سنا دے قاصد شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور سلطان کا پیغام پہنچایا شیخ نے معذرت چاہی، قاصد نے ایما سلطانی کے مطابق آیت پڑھی۔

شیخ نے فرمایا کہ "تم جا کر سلطان سے عرض کرو کہ میں اطیعوا اللہ میں اس قدر مستغرق ہوں کہ اطیعوا الرسول کی تعمیل سے ہی سخت شرمندہ ہوں ظاہر ہے کہ اولی الامر منکم کا تو ذکر ہی کیا ہے۔"

سلطان قاصد سے شیخ کا یہ جواب سن کر بہت متاثر ہوا اور خود خانقاہ میں حاضر ہونے کا ارادہ کر لیا مگر ساتھ ہی شیخ کو آزمانے کے لئے سلطان نے اپنا لباس تو اپنے غلام ایاز کو پہنایا اور خود ایاز کے کپڑے پہنے، اور چند لونڈیوں کو غلاموں کا لباس پہنا کر ساتھ لے لیا، جب یہ لوگ شیخ کی خانقاہ میں پہنچے اور شیخ سے ملاقات ہوئی تو شیخ تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہوئے اور نہ محمود نما ایاز کی جانب التفات کیا، بلکہ ایاز نما محمود کی جانب متوجہ ہوئے، ایاز نما محمود نے شیخ سے عرض کیا کہ "آپ نے ظل اللہ کو تعظیم نہیں دی؟"

شیخ نے جواب دیا "ہاں! لیکن تیرا انداز اس جال میں پھنسنے والا شکار نہیں ہے! تو سامنے کیوں نہیں آیا، کیا تو ہی اس جال کا سب سے بڑا شکار ہے؟"

سلطان نے دیکھا کہ شیخ کا عرفان حقیقت حال کو سمجھ گیا ہے تو مؤدب شیخ کے سامنے بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ "حضرت کچھ ارشاد فرمائیے؟"

شیخ نے غلاموں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "پہلے ان نامحرموں کو مجلس سے باہر کر دیا جائے جب شیخ کے ارشاد کی تعمیل ہو چکی تو سلطان نے پھر عرض کیا کہ حضرت بایزید بسطامی کی کوئی

--------------------------------------------

حکایت سنائیے؟"

شیخ نے فرمایا کہ "بایزید فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے دیکھا کہ وہ شقاوت و بدبختی کی تمام برائیوں سے محفوظ ہوگیا۔"

سلطان نے کہا کہ "یہ تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کیوں کہ یہ تو ظاہر ہے کہ بایزید کا مرتبہ آنحضرت صلعم سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ آنحضرت صلعم کے دیکھنے والوں میں ابولہب و ابوجہل جیسے کتنے ہی منکرین بدبخت ہی رہے۔ تو پھر بایزید کے دیکھنے والوں میں ہر بدبخت کیوں کر سعید بن سکتا ہے؟"

شیخ نے فرمایا کہ "تمہاری پرواز عقل سے یہ باہر کی بات ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کے علاوہ اور کسی نے حقیقی معنی میں دیکھا ہی نہ تھا۔ کیا تم نے قرآن کی یہ آیت نہیں سنی۔

وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ۔

ترجمہ: تم ان کو دیکھتے ہو جو تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ نہیں جانتے۔

اگر وہ لوگ فی الحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو یقیناً وہ اپنی بدبختی کے اثر سے محفوظ ہوجاتے۔

سلطان کو شیخ کا یہ جواب بہت پسند آیا اور مزید نصیحت کے لئے عرض کیا۔

شیخ نے فرمایا کہ "اپنے اوپر چار چیزیں لازم قرار دے لو۔ پرہیز گاری، نماز با جماعت کا اہتمام، سخاوت اور مخلوق اللہ پر شفقت و مہربانی۔"

سلطان نے عرض کیا کہ "میرے لئے دعا فرمائیے"

شیخ نے فرمایا کہ میں ہر نماز کے بعد اللّٰھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات کی دعا کرتا ہوں۔ سلطان نے عرض کیا کہ "یہ تو دعا عام ہے میرے لئے خصوصیت سے دعا فرمائیے؟"

شیخ نے کہا کہ "خدا تمہاری عاقبت محمود فرمائے۔"

سلطان نے چلتے ہوئے نذرانے کے طور پر اشرفیوں کی ایک تھیلی پیش کی۔ شیخ کے سامنے سوکھی روٹی رکھی ہوئی تھی وہ اٹھا کر سلطان کو دی اور فرمایا کہ "کھاؤ" سلطان نے تبرکاً ایک ٹکڑا توڑ کر کھانا چاہا مگر گلے سے نیچے نہ اترا۔ شیخ نے پوچھا "کیا گلے میں پھنستا ہے؟" سلطان نے کہا "ہاں۔"

شیخ نے فرمایا "جس طرح یہ روٹی تمہارے گلے میں پھنستی ہے اسی طرح تمہارا یہ نذرانہ میرے گلے میں پھنستا ہے۔ اسے میرے سامنے سے ہٹالو!"

جب سلطان رخصت ہونے لگا تو شیخ تعظیم کے لیے سرو قد کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے عرض کیا کہ "میں جب آیا تھا تو آپ نے قطعاً توجہ نہ فرمائی اور اب تعظیم فرما رہے ہیں؟"

شیخ نے فرمایا "اس کا سبب یہ ہے کہ جب تم آئے تھے تو شاہانہ جاہ و جلال کے نشے میں سرشار تھے اور اب فروتنی و انکسار کے ساتھ واپس جا رہے ہو۔"

سلطان محمود نے خلیفۂ بغداد القادر باللہ عباسی کو ایک عرض داشت بھیجی جس میں لکھا تھا کہ چونکہ خراسان کا اکثر حصہ میں نے فتح کر لیا ہے اس لئے یہ علاقے بھی مجھے معاف فرمائے جائیں!

بارگاہِ خلافت سے یہ درخواست منظور ہوگئی۔ اس کے ساتھ سلطان نے یہ درخواست بھی کی تھی کہ سمرقند پر حملہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ بارگاہِ خلافت سے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا، اور سلطان کے قاصد سے کہہ دیا گیا کہ اگر سلطان محمود نے سمرقند پر حملہ کیا تو میں تمام عالمِ اسلامی کو اس کے خلاف برانگیختہ کردوں گا۔ خلیفہ کے اس جواب پر سلطان محمود بہت تلملایا ہوا اور بارگاہِ خلافت میں پیغام بھیجا کہ اگر میرا مطالبہ تسلیم نہ کیا گیا تو میں ہاتھیوں کے ایک عظیم لشکر سے خود بغداد پر حملہ کر دوں گا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر بغداد کی مٹی تک غزنی لے آؤں گا۔ اس کا جواب خلیفہ کی جانب سے ایک سربمہر خط کے ذریعہ سے دیا گیا۔ جب یہ خط سلطان محمود کے سامنے کھولا گیا تو اس پر بسم اللہ کے بعد صرف یہ تین حرف لکھے ہوئے تھے ............ **ا . ل . م** ............ قاصد سے پوچھا گیا کہ زبانی کوئی پیغام دیا گیا ہے تو اس نے انکار کیا۔ لوگ حیران تھے کہ آخر اس کا مطلب کیا ہوسکتا ہے۔ خواجہ ابوبکر قہستانی نے عرض کیا "چونکہ حضور نے ہاتھیوں کے ذریعہ سے حملہ کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا اس کے جواب میں خلیفہ نے سورۂ فیل کی جانب اشارہ کیا ہے اور اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ کے بجائے صرف سورت کے اول حروف پر اکتفا کیا ہے۔"

یہ توجیہ سن کر سلطان محمود پر بڑا اثر ہوا اور وہ دیر تک روتا رہا۔ جب حواس درست ہوئے تو نہایت لجاجت اور انکسار آمیز معذرت نامہ لکھا اور خلیفہ کو بیش قیمت تحائف بھیج کر اس کی خوشنودی حاصل کی۔ ابوبکر قہستانی کو انعام اور خلعت دیا گیا۔

سلطان محمود کے زمانہ میں کوچ بلوچ کے قزاقوں نے رباط اور دیر گچین (اصفہان) میں ڈاکہ ڈالا۔ اس میں ایک بڑھیا کا مال و اسباب بھی لٹ گیا۔ اس نے غزنی پہنچ کر سلطان سے فریاد کی کہ تو خدا کی طرف سے ہمارا محافظ و نگہبان ہے۔ میرا مال یا اس کا معاوضہ ادا کر! سلطان نے کہا "مجھے خبر نہیں کہ یہ دیر گچین کہاں ہے؟" بڑھیا بولی "اے سلطان! صرف اس قدر ملک فتح کر کہ تو اس سے باخبر رہ سکے اور انتظام کر سکے۔" سلطان نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ کوچ بلوچ کے ڈاکو تھے جو کرمان کی حدود میں ہے اور سلطان کے ممالک محروسہ سے باہر ہے۔ سلطان نے بڑھیا سے کہا "وہ علاقہ جہاں تیرا مال و اسباب ضائع ہوا ہے وہ میری حدودِ سلطنت سے باہر ہے اس لئے میں اس کا کیا انتظام کر سکتا ہوں؟"

بڑھیا نے کہا "سبحان اللہ! اس عزم وہمت اور شوکت وسطوت پر شہنشاہی کا دعویٰ ہے؟ وہ شہنشاہی کیا جو مظلوموں کا حق نہ دلا سکے؟ اور وہ چرواہا کیا ہے جو اپنی بکریوں کو بھیڑیے سے نہ بچا سکے۔ اس حالت میں میرا تنہا اور ضعیف ہونا اور تیرا فوج ولشکر رکھنا دونوں برابر ہیں!"

سلطان نے بڑھیا کے یہ معقول اور کپکپا دینے والے کلمات سنے تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے بڑھیا کو بہت کچھ دے دلا کر رخصت کیا اور ابو علی الیاس امیر کرمان کو لکھا کہ "ان مفسدوں اور قزاقوں کو فوراً گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیج دو اور جس قدر مال واسباب ہو وہ بھی بھیج دیا جائے، تاکہ آئندہ یہ لوگ ہمارے ملک میں لوٹ مار اور قتل وغارت نہ کر سکیں، ورنہ یاد رکھو کہ کرمان سومنات کے مقابلہ میں بہت نزدیک ہے۔"

امیر کرمان سلطان کے خوف سے ایک جرار فوج لے کر گیا، ہزاروں قزاق قتل وگرفتار ہوئے، اور بے شمار مال واسباب ہاتھ لگا، امیر کرمان نے یہ سب سامان غزنی بھجوا دیا، سلطان نے منادی کرادی، ملک کے اطراف وجوانب سے لوگ آتے تھے اور اپنا اپنا مال واسباب پہچان کر لے جاتے تھے، سلطان محمود نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر ایک بڑا کام یہ کیا کہ ملک سے ہر قسم کی خبریں منگوانے کے لئے خبر رساں مقرر کر دیئے، تاکہ حکام کے ظلم وستم اور ملک کے ہر قسم کے حالات کی سلطان کو اطلاع ملتی رہے۔

"بطور نمونہ از خروارے" یہ چند واقعات ہیں جن سے سلطان محمود کے علم وفضل، ادب واحترام، متانت وسنجیدگی، رعایا پروری، انصاف پسندی، حق شناسی، خشیت الٰہی اور مظلوموں کے ساتھ ہمدردی کے جذبات کا کسی قدر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

## دعائے مغفرت

جامعہ علیہ اسلامیہ کی مجلس شوریٰ کے رکن شہر کی معروف سماجی شخصیت جناب چوہدری عبد الکریم صاحب مقیم محمدیہ کالونی فیصل آباد ۲۲ / اپریل بروز بدھ طویل علالت کے بعد اللہ اللہ کا ورد کرتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم جامعہ کے ساتھ انتہائی قلبی تعلق کی وجہ سے ہمیشہ تعاون میں پیش پیش رہے۔ اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمائے اور درجات کو بلند فرمائے، ان کی اولاد واحفاد کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین)۔

MONTHLY MAGAZINE **Millia** FAISALABAD PAKISTAN
JAMIA MILLIA ISLAMIA
Reg:M # FD-16

MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@hotmail.com Fax # 041-8724335